بارش فرمائے اور ان کی لغزشوں کو معاف فرما کر انکو جنات الفردوس میں داخل فرمائے۔ آمین

اس ہیچمداں سے مولانا کو ہمیشہ ہی سے پدرانہ محبت رہی۔ بڑی بزرگانہ شفقت سے پیش آتے اور میری گستاخیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے۔ میری ان سے آخری ملاقات جدہ میں ہوئی تھی جب وہ حج پر تشریف لائے تھے میں نے زیادہ سے زیادہ وقت ان کے ساتھ گذارنے کی کوشش کی اور علمی استفادہ بھی خوب کرتا رہا۔ مولانا بھی میری طلب دیکھ کر مختلف موقع عطا فرمایا کرتے تھے مجھے خوشی یہ ہے کہ وداع کے وقت وہ مجھ سے بہت خوش ومطمئن تھے یہی میرا سرمایۂ افتخار ہے۔

میں نے ان سے بصد ادب درخواست کی تھی کہ وہ مولانا فراہیؒ کی عربی مطبوعات ازراہ کرم روانہ فرمائیں واپسی پر ساری کتابیں ہمارے عزیز دوست ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی صاحب کے ہاتھوں روانہ فرمادیں۔ ان سے میں نے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ ان میں سے قابل ذکر مقدمۃ نظام القرآن اسالیب القرآن، جمہرۃ البلاغۃ وغیرہ ہیں۔ یہ علوم قرآن، ادب وبلاغت کے بیش بہا خزانے ہیں جو مولانا صدرالدین نے مجھے ہدیۃً عنایت کئے تھے۔

فجزاہ اللہ عنی خیرا الخیراء وانزلہ مع صاحبہ وقائدہ السید المودودیؒ مع قائدنا وقائدھم وقائد الانبیاء والمرسلین سیدنا ونبینا ومولانا محمد فی فسیح جناتہ انہ قریب مجیب الدعاء آمین آمین یارب العالمین۔

(جمعہ کے دن صبح دس بجے ۲۳/ شعبان ۱۴۱۹ھ/۱۱/ دسمبر ۱۹۹۸ء صنعاء، جمہوریت یمن)

اردو جاننے والوں کے لئے انگریزی گرامر اور کمپوزیشن کی ایک قابل اعتماد کتاب

GENERAL ENGLISH FOR YOU

A reliable book of English Grammar and Composition

By

S. Abdullah, M. A.

Including

Parts of Speech, Direct and Indirect Narration

Punctuation, Spelling-Words Formation, Translation

Essay and Letter Writing Etc. Price Rs. 60.00

کتاب ملنے کا پتہ :- عبدالبر اثری۔ ایڈیٹر حیات نو۔ جامعۃ الفلاح۔ بلریا گنج، اعظم گڑھ

قافلۂ جماعت کا آخری حسین

عبدالعزیز سلفی فلاحی

چیرمین تحریک دعوت القرآن

الف ۱۱/۴۲، جوگابائی ایکسٹینشن، جامعہ نگر، نئی دہلی - ۲۵

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ کو سب سے پہلے جامعۃ الفلاح میں دیکھا میں اس وقت فلاح میں زیر تعلیم تھا مولانا غالباً انتظامی وتعلیمی کمیٹیوں کے اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے سلونا رنگ، لمبا قد، نحیف ونزار جسم، اصلاحی طرز کی مخصوص قمیص، علی گڑھ کٹ پائجامہ اصلاحی ٹوپی ہاتھ میں دبا ہوا ادھ جلا ہوا سگریٹ، ہلکا ہلکا کش لیتے اور باوقار انداز میں دھویں کا مرغولہ چھوڑتے ہوئے مسجد سے متصل جامعہ کے مہمان خانہ میں کسی سے محو گفتگو، گفتگو کا انداز خالص مشرقی بلکہ ٹپکتا ہوا اعظمی لب ولہجہ، یہ تھے مولانا صدرالدین اصلاحی اور بے مثل مفکر جماعت اسلامی ہند۔

مولانا کا سراپا مجھے بڑا عجیب سا لگا بلکہ کہنا چاہئے کہ وہ میرے طالب علمانہ شعور کے لئے تکلیف دہ مشاہدہ تھا صحن فلاح میں مولانا کی حیثیت استاذ الاساتذہ کی تھی، جماعت اسلامی کے حوالے سے بڑے مفکر اور رہنما تھے اہل فلاح کے استاذ، مربی، محسن ومفکر بھی ... اور ظاہر ہے ان کی جو عزت، احترام اور مقبولیت ہوگی اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے مگر سگریٹ کے کش میرے جذبات کو مجروح کرتے رہے کسی بھی طور سے میرا طالب علمانہ وجود ... ہضم نہ کرسکا۔

مولانا سے دوسری ملاقات علامہ فراہی سیمینار کے موقع پر ہوئی۔ ان دنوں میں اسلامک موومنٹ (اردو) کا اڈیٹر تھا، منتظمین سیمینار نے ایس آئی ایم کو بھی مدعو کیا تھا ... نمائندگی کرنی تھی چنانچہ شرکت کا فیصلہ ہوا مولانا سید حامد علیؒ ان دنوں دہلی میں ... مولانا اصلاحیؒ اور مولانا حامد علیؒ دونوں ان دنوں بیمار تھے اور یہ بات دنیا جانتی ہے کہ جماعت اسلامی میں دونوں بزرگوں کی علمی، فکری، تنظیمی اور عملی خدمات کلیدی اہمیت رکھتی ہیں، دونوں

ایک دوسرے سے بڑی محبت رکھتے تھے ان دنوں مولانا حامد علیؒ پر اختلاج کا بڑا شدید دورہ پڑتا تھا جب انہیں معلوم ہوا کہ میں اصلاح جا رہا ہوں تو فرمانے لگے مولانا صدرالدین صاحب تو سیمنار میں جائیں گے نہیں بیمار ہیں ٹھیک بھی ہوتے تو شاید ہی جاتے آپ ان سے ملنے جائیں گے؟ میں نے کہا مولانا! پھول پور میرے پروگرام میں شامل ہے، مولانا سے ملنے انشاء اللہ جاؤں گا میرے ذریعہ بڑی محبت سے سلام اور دعاء کی درخواست بھجوائی سیمنار سے استفادہ کر کے میں اپنے ایک دوست کے ہمراہ مولانا صدرالدین اصلاحیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا سلام ودعاء اور تعارف کے بعد میں نے سلام اور درخواست پہونچادی سلام کا جواب اور دعاء فوراً دے کر پوچھا مولانا حامد علی صاحب کا کیا حال ہے؟ دن میں یکسر مولانا حامد علی میرے پاس ہوتے تھے ان سے ایک خاص قسم کا تعلق خاطر یا ذاتی تعلق بھی قائم ہو گیا تھا ان کی اختلاجی کیفیت سے میں بہت متاثر تھا مولانا کو مختصراً میں نے بتایا کہ حالت ٹھیک نہیں ہے بڑی تکلیف دہ صورت حال سے گذر رہے ہیں اس پر مولانا اصلاحیؒ نے فرمایا مولانا حامد علی نے ایک بڑی غلطی کی، انہوں نے آخری عمر میں سب سے بڑے دماغی کام کا بوجھ (فی ظلال القرآن کا ترجمہ وتحقیق) اٹھا لیا ان کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا یہ عمر آرام کرنے کی ہے اختلاج اسی زیادتی کا نتیجہ ہے پھر کہنے لگے کہ میں نے بیس برس سے کوئی بڑا دماغی کام نہیں کیا ہے صحت تو میری بھی اچھی نہیں رہتی آدھا گھنٹہ بات کرتا ہوں تو کئی گھنٹہ آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی اللہ کا شکر ہے اگر بد پرہیزی نہ ہو تو تمام معمولات انجام دے لیتا ہوں نماز باجماعت بھی پڑھ لیتا ہوں مولانا کے آرام اور صحت کے پیش نظر ہم نے اٹھنا چاہا باصرار روکا اٹھ کر خود اندر گئے سامان ضیافت لائے اور محبت بھرے انداز میں کھلایا پلایا خود صرف چائے پی۔ اتنی دیر میں خاصے نڈھال سے ہو گئے، ہم نے اجازت لی مولانا کو سلام کہلایا پھر تاثر بھرے انداز میں کہنے لگے ہمارے اکثر ساتھی اللہ کو پیارے ہو گئے ہم چند جو بچے ہیں وہ چراغ سحری ہیں، دیکھئے حالت کتنی خستہ ہو گئی ہے اب مجھے کئی گھنٹے آرام کرنا پڑے گا، مرض اتنا تکلیف دہ نہیں ہے جتنی عیادت تکلیف دیتی ہے لیکن کیا کریں منع بھی نہیں کر سکتے پھر دعاؤں کے ساتھ ہمیں رخصت کیا۔

اس ملاقات میں محسوس ہوا کہ اللہ سے تعلق کا رنگ مولانا کا بہت گہرا ہو گیا ہے، ہارون زہری کے واسطے سے تو معلوم ہوتا رہتا تھا کہ مولانا تہجد اور تلاوت کا اہتمام کس مستعدی سے کرتے ہیں مگر ایک نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا اور رشک آیا، مولانا نماز جس حضوری اور کیفیت کے ساتھ ادا کرتے تھے وہ ان ہی کا حصہ تھا مولانا کے پس ماندگان میں سے بھی بعض نے ارتقاء کی کیفیت کا ذکر کیا۔

دوسری بات جو میرے مشاہدہ میں قابل رشک نظر آئی وہ مولانا کے آل واحفاد کی سعادت مندی ہے اس بیماری، پیرانہ سالی، میں ان کے بیٹے بہو اور ان کی اولاد نے جس طرح مولانا کی عزت، احترام اور بڑائی قائم رکھی وہ ان کے لئے بڑے اعزاز کی بات ہے مولانا نے اپنے کسی پوتے کو آواز دی کم سن ہونے کے باوجود وہ جس طرح بھی دادا کہہ کر حاضر ہوا اور حکم کی تعمیل کی اس سے اندازہ ہوا کہ مولانا کی آل واولاد نے تحریکی فیشن کے برعکس بچوں کی تہذیب وتربیت کی فکر کی ہے۔

مولانا اپنی طبعی عمر گذار کر، بہترین خدمات انجام دے کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے، ہر انسان کا یہی انجام ہے موت تو سب کو آتی ہے اپنے وقت پر آ کر رہے گی لیکن موت، موت میں بڑا فرق ہوتا ہے، ہر موت کے اثرات یکساں نہیں ہوتے کسی کی موت ایک فرد کی موت ہوتی ہے اور بعض موتیں ایسی ہوتی ہیں کہ قوم کی بنیادیں ہل جاتی ہیں مولانا کی موت دوسری قسم کی موت تھی

ماکان قیس هلك واحد   ولكنه بنيان قوم تهدما

قیس کی موت ایک فرد کی موت نہ تھی بلکہ وہ ایک قوم کی اساس تھا اس کی موت سے وہ اساس ہی منہدم ہو گئی۔

جماعت اسلامی ہند کے دائرہ میں مولانا کی یہی اہمیت تھی مولانا جب تک صحت مند رہے جماعت کی تمام مجلسوں اور کمیٹیوں میں فکری سربراہ اور اصولی رہنما کے فرائض انجام دیتے رہے جماعت کی سرگرم زندگی میں ہمیشہ وہ راہ نکالنے، پالیسیاں بنانے، فکری واصولی موقف طے کرنے میں بنیادی وکلیدی رول ادا کرتے رہے ان کا سب سے امتیازی وصف

یہ ہے کہ ان کے موقف سے کوئی اتفاق کرے یا اختلاف مگر ان کے شرعی استدلال، عقلی و منطقی اثبات سے انکار نہیں کر سکتا۔ قرآن وحدیث کے گہرے مطالعہ نے وہ نظر اور بصیرت پیدا کر دی تھی کہ جب بھی وہ لکھتے یا استدلال کرتے تو جماعت کے حلقہ میں وہ حرف آخر کی حیثیت اختیار کر جاتی تھی اور گردش زمانہ کے نتیجہ میں مولانا اور ان کے خاص رفقاء سرگرم زندگی سے جب ہٹ گئے تو جماعت اس مقام پر باقی نہ رہ سکی۔ مختلف مسائل میں جماعتی موقف کے استدلال واعتبار اور پالیسیوں میں وہ قوت وتاثیر باقی نہ رہی اس کے استدلال کی خامیاں خود ارباب جماعت پر کھل گئیں اور جماعت داخلی سطح پر سخت کشمکش اور انتشار فکر میں مبتلا ہوگئی مولانا کا سب سے بڑا امتیاز ان کا علمی رسوخ اور فکری تیقن ہے وہ بنیادی طور سے عالم قرآن تھے ان کے فکر وعمل، تصنیف وتالیف اور دعوت وتحریک کے تمام تر تصورات و محرکات قرآن ہی کے پیدا کئے ہوئے تھے وہ ہر معاملہ کو، ہر بگاڑ وانحراف کو، تمام افراط وتفریط کو قرآن کی روشنی میں دیکھنے اور اس کی حیثیت متعین کرنے کے خوگر تھے مولانا کے پیش نظر اصلاح وتعمیر اور تبدیلی وانقلاب کا سرچشمہ قرآن تھا ان کی فکر کا ماخذ اور علم کا مصدر اللہ کی کتاب تھی ''دین کا قرآنی تصور'' اس سلسلہ کی عمدہ مثال ہے۔

مولانا کی زندگی فقر وسادگی اور زہد وقناعت کا نمونہ تھی، سادہ زندگی اور ارفع تصورات کا وہ شاہکار تھے، انہوں نے زندگی کو ایک بڑے مقصد پر قربان کر دیا اور زندگی کے مطالبوں کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ مولانا حامد علیؒ نے مولانا کی خودداری وقناعت کو ایک بار خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ مرکز رام پور کے تمام رفقاء میں مولانا سب سے زیادہ عیال دار تھے کفاف پر گذارا ہوتا تھا مولانا سب سے زیادہ تنگ رہتے تھے لیکن کبھی کسی پریشانی کا اظہار نہیں کیا، کبھی زبان پر حرف شکایت نہیں آیا جماعت کے رامپوری دور میں مرکزی ٹیم جس میں مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ، مولانا حامد علیؒ مولانا سید احمد عروج قادریؒ، مولانا صدرالدین اصلاحیؒ بہت ممتاز رہنما تھے ان کے بارے میں زہد واستغناء کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے یہ فقرہ کہا جاتا تھا ''یہ لوگ اپنی پیوند لگی ہوئی شیروانیاں پہن کر اس شان سے چلتے ہیں گویا قیصر روم جارہا ہو'' نہایت سخت حالات اور مشکل دور میں بے مثال

ایثار ووفا کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے نصب العین کی خدمت کی۔

سلامت روی، فکری صلابت، حیرت انگیز فکری یکسانیت پاکیزہ تصور صاف ستھرا اور نکھرا ہوا زاویہ نگاہ مولانا کے امتیازات ہیں ان کی سوچ میں کوئی الجھاؤ نہیں ہے ان سے کوئی اتفاق کرے یا اختلاف اپنی بات اعتماد کے ساتھ مدلل انداز میں پیش کر دیتے ہیں یہ دراصل قرآنی اور انبیائی طریق تبلیغ کا خاصہ ہے داعی کی ذمہ داری بس اتنی ہے کہ دلیلوں کے ساتھ بہترین اسلوب میں اپنی بات پیش کر دے اب یہ مخاطب کی ذمہ داری ہے کہ اس کو سمجھے پرکھے اور اس کے تئیں اپنا رویہ طے کرے۔

مولانا ایک مفکر تھے مفکر لوگوں سے اختلاف بھی کرتا ہے اور لوگ اس سے اختلاف کرتے ہیں فکری اختلافات میں مولانا کی روش بڑی شریفانہ اور روادارانہ تھی وہ کبھی کج بحثی، ضد یا منوانے کی کوشش نہیں کرتے تھے نفس مسئلہ پر اظہار رائے کرتے ہوئے اپنے دلائل اور موقف واضح کر دیتے تھے ایک بات کو بار بار کہنا تکرار وحجت کرنا ان کے مزاج کے خلاف تھا فکری اختلافات کو کبھی انہوں نے عملی اختلاف نہ بننے دیا عملی اختلاف سے ہمیشہ گریز کیا حالاں کہ ان کو اپنی رائے اور موقف پر بڑا یقین تھا ان معاملات کو وہ بہت اہمیت دیتے تھے اور جب بھی موقع ملتا اپنے مخصوص اسلوب یا بین السطور میں بتانے اور سمجھانے کی کوشش کرتے مگر جو فیصلہ ہو جاتا اطاعت امر کے تحت اس کو قبول کرتے اپنی رائے پر باقی رہتے ہوئے قرآن وسنت کی رہنمائی یہی ہے اجتماعی مصالح اسی صورت میں باقی رہ سکتے ہیں۔ مولانا جیسے عالم قرآن کے لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ عملی زندگی میں اس کو نہ برتتے مولانا کے بعض انتہائی نیک وعقیدت مند ساتھیوں کو اس نکتہ کو نہ سمجھنے کے نتیجہ میں جماعتی زندگی کے سیاق میں شکوہ بھی ہوا لیکن آخری وقت تک مولانا کا طرز عمل یہی رہا۔

مولانا ملی وجماعتی مستقبل سے مایوس نہیں پُر امید تھے یقین واعتماد سے معمور تھے ان کی تحریروں میں جا بجا پرجوش رجائیت کے نمونے ملتے ہیں، اللہ پر غیر معمولی بھروسہ رکھتے تھے ان کی زندگی صبر ورضا کا پیغام ہے اپنے موقف کی صحت پر انہیں یقین ہوتا تھا اس پر کافی غور وفکر کرتے تھے اور قرآن وسنت کی میزان میں پرکھتے تھے اور جب کوئی رائے قائم

کر لیتے تھے تو اس سے ہٹتے نہیں تھے مولانا عالمانہ وقار اور اسلاف کی روایات کے پاسدار تھے "پارلیمانی مباحث" اور "جمہوری آداب" کے مزاج آشنا نہ تھے اسی لئے رائے عامہ کو ہموار کرنے اس کی تربیت کرنے کے ہنر سے بھی آگاہ نہ ہو سکے۔

وہ اصلاً مفکر و مصنف تھے لیکن نہ بسیار نویس، ان کے تخلیقی مزاج سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تصنیف برائے تصنیف کے قائل نہ تھے صرف ٹائٹل میں اضافہ نہیں چاہتے تھے وہ صرف اس وقت لکھتے تھے جب واقعی ضرورت تقاضا کرتی تھی ان کے فکر و تدبر کا تسلسل لفظی نمود کا منتظر ہوتا تھا انہوں نے اپنی طویل تصنیفی زندگی میں صفحات اور کتابوں کے اعتبار سے کم لکھا ہے لیکن جو کچھ لکھا ہے خوب لکھا ہے، ذمہ داری کے ساتھ لکھا ہے، فکر ساز لکھا ہے ان کا اسلوب نگارش منطقی و استقرائی ہے، عالمانہ و مدبرانہ ہے وہ اپنی فکر اور استدلال پر تمام تر توجہ صرف کر دیتے ہیں۔ ادبیت لسانی نزاکتوں اور لفظی رعایتوں کی فکر نہیں کرتے اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ان کی تحریروں میں قدامت کے آثار بھی ہیں اور مشرقیت و علاقائیت کے مظاہر بھی ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک عام قاری بہت بوجھل ہو جاتا ہے میں نے یکسر اساس دین کی تعبیر پڑھنے پر اصرار کیا مگر چند لمحوں میں لوگوں کو اونگھتے ہوئے دیکھا ہے صالح علمی ذوق کے بغیر مولانا کی کتابیں پڑھ سکنا بہت مشکل ہے، یہ تحریک اسلامی کے دائرے میں ایک بڑا زیاں بھی ہے فکر سازی اور ذہنی تعمیر کے لحاظ سے مولانا کی تصانیف بہت اہم ہیں لیکن بدقسمتی سے وہ سب سے کم پڑھی جاتی ہیں سمجھنے کا تناسب تو اور بہت کم ہے مولانا فکر اسلامی کے تئیں بہت حساس ہیں، اس کے ساتھ غیر اسلامی افکار کی آمیزش کے اندیشوں سے وہ بے نیاز نہیں تھے بار بار متوسلین کو بے دار و متنبہ رہنے کی تلقین کی ہے۔ اس میدان میں وہ بڑی دوررس نگاہ رکھتے تھے ذہین حساس تھے۔ مولانا اصلاحی اس پہلو سے پوری جماعت میں ممتاز ہیں کہ مسائل کی تعبیر میں بعض بے اعتدالیوں کی تصحیح کی ہے۔ ان میں بڑی سلامت روی اور اعتدال و ٹھہراؤ ہے ان کا انداز جذباتی نہیں علمی و منطقی ہے اپنے محسن و مربی، موسس جماعت اسلامی مولانا مودودیؒ کی بعض تعبیروں اور تصورات کی بہترین تلافی کی ہے اساس دین کی تعبیر، اسلام ایک نظر میں، نظام جاہلیت سے تعاون دین

کا قرآنی تصور فریضہ اقامت دین، اعتدال کی راہ، حقیقت عبودیت، حقیقت نفاق، وغیرہ جیسی کتابیں ذہن ساز فکر انگیز اور اجتہادی شان رکھتی ہیں۔

علمی و فکری اعتبار سے معتبر اہل علم نے اقامت دین کے جماعتی تصور پر کلام کیا ہے جماعت کے منہج فکر سے انہیں اتفاق نہیں ہے مولانا مودودیؒ سمیت بہت سے اہل فکر نے اس پر قلم اٹھایا ہے مگر فریضہ اقامت دین، دینی تفکر، منطقی استدلال اور فنکارانہ تقدیم کے لحاظ سے سب پر بھاری ہے اور پورے جماعتی لٹریچر میں آخری چیز ہے بعد میں اس پر لکھنے بولنے والوں نے بلاشبہ اس سے خوشہ چینی کی ہے، اس میں شبہ نہیں کہ فریضہ اقامت دین نے فلسفہ اقامت دین کو شرعی استدلال، علمی وقار اور فکری اثبات عطا کیا ہے۔

اہل علم ہر زمانہ میں بہ کثرت ہوتے ہیں لیکن مفکر بہت کم پیدا ہوتے ہیں اور مولانا جیسے ٹھیٹ مفکر تو خال خال ہی پیدا ہوتے ہیں جو راست انداز میں سوچتے اور بغیر کسی الجھاؤ کے اس نتیجہ فکر کو پیش کر سکتے ہوں افسوس یہ ہے کہ مولانا کے پس ماندگان یا جماعتی نظام میں کوئی ایک بھی فرد ایسا نہیں ہے جو مولانا کا جانشین ہو ان علوم و افکار کا وارث ہو اور اس کو اضافہ کے ساتھ آگے بڑھا سکتا ہو کچھ تو مولانا کی بے نیازی اور مخصوص رنگ طبیعت زیادہ ابنائے زمانہ کی ناقدری کا اس میں دخل ہے اب تو حسرت ناک منظر یہ ہے

قافلہ جماعت میں ایک حسین بھی نہیں

مولانا کے انتقال کے بعد ذمہ دارانہ سطح سے یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ مولانا کو وہ مقام نہیں ملا جس کے وہ مستحق تھے ان سے کم تر صلاحیت کے لوگوں کو ان سے بڑا مقام و مرتبہ ملا۔ یہ اس قوم کی بدقسمتی ہے مولانا جیسے بخت آور ہمارے پیمانوں میں سما ہی نہیں ان کی عظمت و بے نیازی ان کو اس مقام پر پہونچا دیتی ہے جاہ و منصب کا تنگ تصور والے جس کا تصور بھی نہیں کر سکتے صرف اس کی یاد کی کسک ہی پا سکتے ہیں۔

زندہ و اقبال مند قومیں اپنے سپوتوں کو پالنے ہی میں پرکھ لیتی ہیں۔ زندگی بھر اس کی عزت افزائی کرتی اور اس کی حوصلہ مندیوں کا ساتھ دیتی ہیں جب کہ بے حوصلہ اور پست ارادہ قومیں زندگی میں ناقدری، بے توقیری، اختلاف اور مزاحمت کے شوق پورے کرتی

...یں اور پس از مرگ واویلا کرتی ہیں۔ اس کے فضائل وکمالات کی شناخت حاصل کرتی ہیں ...ن کے اٹھ جانے پر سینہ کوبی و ماتم سرائی میں مصروف ہو جاتی ہیں۔

جماعت اسلامی میں مولانا کی حیثیت مجتہد مطلق کی نہ سہی لیکن مجتہد فی المذہب کی ضرور ہے۔ مولانا مودودیؒ کی فکر و دعوت کی تشریح و تبلیغ میں مولانا کا وہی مقام ہے۔ عالم عرب میں شیخ حسن البناء شہیدؒ کی تحریک میں جو مقام سید قطب شہید کا ہے لیکن اپنے اس سب سے بڑے محسن و مفکر کے ساتھ اختلافی امور میں جماعت کا رویہ کیا رہا ہے اس کا اندازہ کرنے کیلئے مولانا ہی کی ایک تحریر بہت کافی ہے۔ مولانا کی یہ تحریر "ایک ضروری وضاحت" "محترم امیر جماعت کی ہدایت پر" کے عنوان سے جماعت کے آرگن زندگی نو ...ری ۹۷ء میں شائع ہوئی ہے مولانا لکھتے ہیں۔

"بڑا افسوس ہے کہ اس طرح کی زیادتی اور بے انصافی میرے ساتھ اور مجھ سے ...ھ کر دعوت و تحریک اور جماعت کے ساتھ، مدتوں سے ہوتی چلی آرہی ہے۔ جس کی سب سے نمایاں اور تکلیف دہ مثال ۸۵ء میں قیم جماعت کی طرف سے شائع کئے جانے والے ...ن کتابچے میں آج بھی موجود پائی جا سکتی ہے جس میں الیکشن میں ووٹ نہ دینے کی پابندی اٹھا دینے کا فیصلہ درج ہے۔ اس فیصلہ کی رپورٹنگ میں کہا گیا ہے کہ صرف ایک رکن شوریٰ (مولانا محمد یوسف صاحب مرحوم ومغفور) کو چھوڑ کر باقی سبھی حاضرین اجلاس شوریٰ کو اس سے اتفاق تھا۔ اور پھر کوئی ضرورت نہ ہونے کے باوجود ان سبھی حاضرین اجلاس کے ...موں کی فہرست بھی شائع کردی گئی اور لطف کی بات یہ کہ اس نام بہ نام فہرست میں سب سے پہلے میرا ہی نام دیا گیا ہے۔ میں مذکورہ بالا کتابچے میں یہ دیکھ اور پڑھ کر حیرت میں پڑ گیا پہلے تو شوریٰ کے ایک اجلاس ہی میں، میں نے اس پر احتجاج کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ اس سرتاسر خلاف واقعہ رپورٹنگ کی تصحیح کرکے اسے شائع کردیا جائے تاکہ ارکان ...عت کو صحیح بات معلوم ہوجائے۔ مگر میرا یہ مطالبہ سنا ان سنا کردیا گیا۔ پھر جب میں شوریٰ سے فارغ ہوکر اپنے گھر واپس آیا (جس کے بعد علالت اور ضعف و نقاہت کے باعث کسی اور اجلاس میں شرکت کا موقع مل ہی نہ سکا، دوسری طرف حقیقت واقعی معلوم کرنے کیلئے

میرے پاس لوگوں کے خطوط بھی آنے لگے) تو میں نے قیم صاحب کو عریضہ ارسال کرکے انہیں پھر توجہ دلائی کہ میں نے فیصلہ کے حق میں رائے ہرگز نہیں دی تھی۔ اس رپورٹنگ کی تصحیح شائع کردی جائے جواب آیا کہ تم بھول رہے ہو تم نے حق میں رائے دی تھی۔ میں نے پھر لکھا کہ مولانا یوسف صاحب (مرحوم ومغفور) کے یہ فرمانے پر مجھے اس فیصلہ سے اختلاف ہے، صاف صاف کہا تھا کہ اختلاف تو مجھے بھی ہے اس پر جواب ملا کہ ہاں ایسا تم نے ضرور کیا تھا مگر اس کے باوجود ضابطہ کی رائے دہی کے وقت رائے حق ہی میں دی تھی۔ اس عجیب وغریب جواب کو پڑھ کر میں نے پوری تفصیل کے ساتھ اور گفتگو کے وقت کی اچھی طرف منظر کشی کرتے ہوئے انہیں لکھا کہ جب آپ کو اب یہ تسلیم ہے کہ میں نے اپنے اختلاف کا علانیہ اظہار کردیا تھا تو یہ کون سے تک کی بات ہوئی کہ آگے چل کر اس سے اتفاق کر لیتا؟ اس پر موصوف کی طرف سے خاموشی اختیار کرلی گئی۔ نہ تو کوئی جواب دیا گیا نہ پریس میں کوئی تصحیح ہی نظر سے گزری"۔

اسی وضاحت میں مباحث کی تکرار اور تکنیک پر سخت تنقید کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

"یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ۶۰،۵۹ سے ۸۵ تک کی ایک چوتھائی صدی کی یہ لمبی مدت کافی حد تک گویا ایک بے فیض دماغی ورزش کی بھینٹ چڑھ گئی۔ میرے لئے اس بحثا بحثی میں مسلسل شریک رہنا مشکل ہوگیا۔ آخر سالہا سال سے شوریٰ کے اجلاسوں میں اس موضوع کے چھڑ جانے پر اس کی بحثوں میں حصہ لینے کو فضول اور ضیاع وقت سمجھ کر میں خاموشی اختیار کرنے لگ گیا اور صرف اتنا عرض کرنے دینے پر بس کرتا کہ ان پے در پے نظری بحثوں کو ذرا روک کر ان کے اب تک کے عملی نتیجے کا جائزہ لیجئے اور واقعیت پسندی سے کام لیتے ہوئے دیکھ لیجئے کہ دعوت و تحریک اور جماعت کے حق میں یہ نتیجہ نفع کا نکلا ہے اور نکل رہا ہے یا نقصان کا؟ میرے کہنے کا منشا یہ ہوتا کہ دعوت اور جماعت کو حاصل تو کچھ نہ ہوسکا البتہ ارکان جماعت میں فکری اور ذہنی انتشار، آپس کی حریفانہ بحثا بحثی، وقت کی افسوس ناک بربادی، اصل کار دعوت کی طرف کم توجہی اور باہمی تعلقات میں سردمہری جیسی

"نہ جانے کیسی کیسی خرابیاں پیدا ہو گئیں"۔

بابری مسجد کی شہادت کے بعد جماعت اسلامی کی سرگرمیوں پر پابندی لگادی گئی۔ دریں اثنا جماعت کے ذمہ داروں کی طرف سے فورم فار جسٹس اینڈ کیپٹل ایمیٹی بنایا گیا جس کے دستور، محرکات اور سرگرمیوں سے حلقہ جماعت میں تشویش اور اضطراب پیدا ہوا۔ اس پر ماہنامہ مجلہ حیات نو میں ایک تنقیدی مضمون شائع ہوا۔ صاحب مضمون نے مولانا کی اختلاف رائے اور ان کی آب دیدگی کا حوالہ بھی دیا اس پر اظہار رائے کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

"میں نے فورم سے اپنے اتفاق کی کھل کر تردید کردی تھی اور پوچھنے والوں کو صاف صاف بتادیا تھا کہ اگر کوئی کہتا ہے کہ جماعت کی طرف سے کیے جانے والے اقدام کا میں بھی حامی ہوں وہ بالکل غلط اور خلاف واقعہ بات کہتا ہے لیکن اس تردید کے وقت میری جو کیفیت اس زیر بحث تحریر میں بیان کی گئی ہے وہ بھی پوری طرح مطابق واقعہ نہیں ہے۔ اس کے اندر صاحب تحریر کے اپنے احساس کی غیر معمولی شدت کا بھی خاصا دخل ہو گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے مواقع پر میں کبھی آبدیدہ ہوا ہی نہیں کرتا بلکہ یہ خیال کر کے جھنجھلاہٹ اور غصہ میں مبتلا ہو جایا کرتا ہوں کہ دعوت اور جماعت کے حق میں کیا ناشدنی اختیار کی جارہی ہے۔"

اس تحریر میں مولانا کا یہ فقرہ غور طلب ہے فرماتے ہیں: "سید یوسف صاحب کی بات کو لے کر میں نے یہاں اتنا طویل اظہار خیال ضرورت سے کیا ہے۔ اسے خواہ مخواہ طول کلام نہ سمجھنا چاہئے۔"

مولانا نے نفس موضوع کو بڑی خوبی اور وضاحت سے پیش کر دیا ہے۔ اس کی تشریح کی ضرورت ہے نہ موقع اس کا متحمل ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مولانا فکری و ذہنی کرب کی کن منزلوں سے گزرے اور گزرتے رہے ہیں۔ اور کس درجہ کمال ضبط و تحمل کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔ مولانا سے جو قریبی واقفیت رکھتے ہیں ان کی شہادت یہ ہے کہ ان تمام دل فگاریوں کے باوجود اختلاف مسائل پر ہر جگہ اور ہر کس و ناکس سے گفتگو نہیں کرتے تھے اگر کوئی چھیڑنا چاہے وہ کوئی بھی ہو کسی بھی حیثیت و اہمیت کا حامل ہو اس کو "طرح" دے

جاتے تھے۔ مناسب موقع و محل پر جب حکمت و ضرورت کا تقاضا ہوتا جبھی ان پر لب کشائی کرتے یا خانہ رمز آشنا کو زحمت اظہار دیتے تھے۔

مولانا پوری زندگی تحقیق و مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ انتظامی اور عوامی مسائل و ذمہ داریوں سے بڑی حد تک دور رہے۔ ان کا ذہن منطقی اور زاویہ نگاہ علمی تھا۔ ایسے لوگ عام طور سے خشک، مردم بیزار، اور بیرحمی کی حد تک بے لچک اور رومانویت پسند ہوتے ہیں۔ لیکن مولانا علمی ذہن رکھنے کے ساتھ ایک گداز دل کے مالک بھی تھے۔ ان کی منطقیت اور ریاضیت کی تہ میں جذبات کی گرم تاثیر بھی تھی۔ رشد و پختگی کی عقل کے ساتھ وجدان کی ہلکی اور مسخر کر لینے والی گرم جوشی بھی ہوتی تھی۔ ۲۱ اپریل ۹۲ء کے اجلاس نمائندگان کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں "محترم امیر جماعت و رفقائے کرام! عرصہ دراز کے بعد خود اپنوں کے بیچ پاکر ان دنوں میں فطری طور پر بڑی مسرت محسوس کر رہا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ایک بار پھر ان صورتوں کو دیکھ لینے اور ان ساتھیوں سے مل لینے کا موقع فراہم کر دیا جن کے دیکھ لینے اور جن سے مل سکنے کی بظاہر کوئی توقع نہیں رہ گئی تھی۔"

یہ الفاظ ہیں سوز محبت اور حسرت و کسک میں ڈوبے ہوئے جذبات ہیں جو لفظوں کا بہاؤ اختیار کر گئے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اسی موقع سے امیر جماعت اور ارکان نمائندگان کی فہمائش پر جو خطاب کیا ہے وہ جماعت کے نصب العین اور وابستگان جماعت کی خیر خواہی اور محبت کا خراج ہیں۔ مولانا کی متواضع اور خاکسارانہ طبیعت کا یہ حال تھا کہ کبھی وہ قائدانہ لب و لہجہ میں گفتگو نہیں کرتے تھے۔ چھٹے آل انڈیا اجتماع حیدرآباد کے موقع پر مشاہیر جماعت کو سوالنامہ جاری کیا گیا تھا۔ منصب اور مقام کے اعتبار سے اہم سوالات کئے گئے تھے اور ان کے جوابات یادگار مجلہ میں شائع کئے گئے ہیں۔ اس میں ایک آخری سوال وابستگان تحریک کے لئے پیغام سے متعلق ہے۔ تقریباً تمام مسئولین نے اپنے علم و وجدان اور ذوق کے مطابق تمام سوالوں کے جوابات دئے ہیں لیکن اس آخری اور قدرے ذاتی قسم کے سوال کو یہ کہہ کر قلم انداز کردیا کہ میرا یہ مقام نہیں کہ رفقائے تحریک کو پیغام دوں۔ ایسے بے نفس، بے نیاز اور خاکسار طبیعت کے اخلاص و للٰہیت رکھنے والے قائد و کارکن اب کہاں؟

تو و طوبیٰ و ما و قامت دوست — فکر ہر کس بہ قدر ہمت اوست

مولانا کا لب ولہجہ اور اسلوب بیان ایسے تمام مواقع پر حد درجہ معروضی (Objective) ہو جایا کرتا تھا۔ اپریل ۹۳ء کا یہ خطاب ایک طرح سے غالباً آخری جماعتی و مقصدی خطاب ہے۔ حسب معمول مولانا نے اپنے خیالات کو ضبط تحریر میں لا کر پیش کیا ہے۔ رمز و کنایہ اور بین السطور میں مولانا نے داخلی صورت حال پر روشنی بھی ڈالی ہے اور اس سے نکلنے کی راہ بھی بتائی ہے۔ یہ اس لائق ہے کہ اس پر توجہ کی جائے۔ میں سمجھتا ہوں مولانا کی روح کو ایصال خراج کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے کہ ان کی یاد دہانی اور آخری خطاب کے منشا و مدعا کو سمجھ کر انفرادی و اجتماعی دائروں میں تنقیدی نظر ڈالی جائے اور عالم قرآن کی بصیرت سے فائدہ اٹھا کر اگر ممکن ہو تو کوئی اصلاحی کروٹ لینے کی کوشش کی جائے۔ مولانا فرماتے ہیں:

''پہلی بات جو عرض کرنا چاہتا ہوں وہ خود اسی لفظ ذمہ دار کے مفہوم و مدعا سے تعلق رکھتی ہے۔ لغت میں اس لفظ کے جو معنی بھی ہوں، عام لوگ اس اصطلاح کا جو مفہوم بھی سمجھتے ہوں، دوسری تنظیموں اور جماعتوں کے ہاں اس کے ساتھ تو عہدہ و منصب کا جو تصور بھی وابستہ پایا جاتا ہو۔ مگر تحریک اسلامی کا ذمہ دار وہ ہوتا ہے جس پر تحریکی اور دعوتی ذمہ داریوں کا سب سے زیادہ بوجھ پڑا ہوتا ہے۔ عام ارکان جماعت کے مقابلہ میں دوگنا تین گنا بوجھ عند اللہ بھی اور عند الناس بھی۔

دوسری بات جس کی طرف توجہ دلانا ضرورت کا تقاضا محسوس ہوتا ہے، یہ ہے کہ نصب العین اور اس کے صحیح واضح اور جامع مفہوم کے استحضار کی طرف سے کبھی غافل نہ رہا جائے اس کے یقین اور شعور کو زندہ و بیدار رکھنے کی ہر آن فکر رکھی جائے اور اسے اپنے امکان بھر برابر حرز جاں بنائے رکھا جائے۔ ماحول کی کسی بھی ناسازگاری کو اور کسی بھی ظاہری بے اثری اور ناکامی کو اس امر کی اجازت ہرگز نہ دی جانی چاہئے کہ یہ شیطانی حربے اور وسوسے ہمارے تحریکی عزائم کو متاثر کر دیں۔ صورت حال خدا نہ کرے، کچھ ایسی بنا دیں کہ زبانوں پر اقامت دین کے نصب العین کا دعویٰ اور اعلان حسب معمول پورے زور شور سے جاری رہے مگر دلوں اور دماغوں میں اس کے ساتھ وابستگی کی لو بہ تدریج مدھم پڑ جائے، یہاں تک کہ حالات کی اس

مار سے بے حال ہو کر کچھ لوگ تو بیٹھ رہنے یا الٹے پاؤں پھر جانے تک کی سوچنے لگیں۔''

ماحول کی ناسازگاری اور ہمت شکن مشکلات کو ناگزیر بتاتے ہوئے تاریخی شہادتوں کی طرف اشارہ کیا۔ قرآن کے حوالہ سے اس کو امر واقعی بتاتے ہوئے کہا کہ ''گویا روز اول سے سنت اللہ یہی رہی ہے۔ اس لئے آج یہ ہمارے لئے بدل نہیں جائے گی۔ پھر یہ صرف سنت اللہ ہی نہیں بلکہ حکمت اللہ بھی ہے۔ آزمائشوں کی یہ بھٹی بھڑکائی ہی اسلئے جاتی ہے کہ کھوٹے اور کھرے چھٹ کر الگ ہو جائیں اور تحریک کو صاف صاف معلوم ہو جائے کہ اس کی اصل طاقت کیا ہے۔ اس آزمائش میں کامیاب ثابت ہونا اور اپنی دعوتی جدوجہد کی ظاہری بے اثری و ناکامی سے بددل ہو کر نہ رہ جانا اسی وقت ممکن ہے جب اللہ کے دین کی نصرت اور اقامت کا عہد وفا دل و دماغ پر برابر چھایا رہے۔''

بانی جماعت کے تاریخی جملوں سے مہمیز لگاتے ہوئے کہتے ہیں ''یہ کوئی شاعری نہیں تھی بلکہ ایک صاف اور سیدھی سی ایمانی صداقت کا اظہار تھا جس کسی بندۂ خدا نے اس کے دین کی اقامت کو اپنی زندگی کا پہلا اور آخری فریضہ تسلیم کر رکھا ہو اس کے عزم کی کیفیت ایسی ہی ہوتی ہے بشرطیکہ وہ اپنے قول میں سچا بھی ہو اور اپنے اس فریضے کے استحضار کا برابر اہتمام بھی رکھے۔ نصب العین کا یہ استحضار جہاں افراد جماعت کو عزم صادق سے سرشار رکھے گا وہیں جماعت کی اجتماعی زندگی کیلئے حفظانِ صحت کی ضمانت بھی بنا رہے گا۔ جب ہمارے دلوں میں اپنے نصب العین کی سچی محبت اور بے لوث وابستگی گھر کئے رہے گی اور ہمارے افکار و جذبات پر اس کے تقاضے چھائے رہیں گے تو جماعت کے اندر ردوکد اور افتراق و انتشار کی نامبارک صورت حال پیدا کر دینے والے مسائل یا تو پیدا ہی نہ ہوں گے یا اگر کبھی پیدا ہو گئے تو انہیں سلجھا لینا چنداں دشوار نہ ہوگا۔ مولانا کے تحریری خطاب کا تیسرا اور سب سے اہم حصہ وہ ہے جس میں ان تمام عوامل و اسباب کی نشان دہی اشارات اور رمزیہ اسلوب میں کر دی ہے اس کو خصوصی توجہ کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں لکھتے ہیں:

''تیسری بات جسے اس وقت میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں اور جو ایک خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس کا تعلق موجودہ ماحول اور اس کی روافزوں آلودگیوں سے ہے اس

سے میری مراد اس خارجی ماحول سے نہیں ہے جس کی آلودگیاں اس داخلی ماحول سے ہیں جو انسان کے اندرون میں پایا جاتا ہے اور اس کے دلوں اور دماغوں سے تعلق رکھتا ہے۔ خارجی ماحول کی آلودگیوں نے اگر حیات انسانی کیلئے خطرات پیدا کر دیے ہیں تو اس اندرونی اور باطنی ماحول کی آلودگیوں نے حیات انسانی کی بنیادوں کو زیر وزبر کر کے رکھ دیا ہے۔ ان کی وجہ سے اخلاقی قدروں کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی ہے۔ معروف منکر میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہ گیا ہے۔

ہمارے لئے یہ آلودگیوں اور فتنوں بھرا ذہنی، فکری ماحول اخلاق و کردار کے پہلو سے تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اللہ کے فضل وکرم سے اس کے مہلک نظریے اور فلسفے ان چیزوں کے بارے میں ہمیں ہرگز متاثر نہیں کر سکتے مگر دوسرے بہت سے تحریکی امور کی نسبت سے یہ یقیناً ہمارے لئے بھی مسئلہ ہیں خاصا اہم مسئلہ یہ اپنی بے پناہ قوت کے بل پر ہمارے انداز فکر میں دراندازی کر سکتے ہیں۔ تحریکی سرگرمیوں کے مابین ترجیحات کی ٹھیک ٹھیک تعیین میں اور کام کے صحیح تر وانسب طریقوں کے انتخاب میں ہمیں ٹھوکر کھلا سکتے ہیں۔ ذاتی اور ملی مصالح ومفادات کی طرف توجہ دینے کے معاملے میں غیر محفوظ بنا دے سکتے ہیں۔ کامیابی وناکامی کے صحیح تصورات سے غیر شعوری طور پر بیگانہ کر سکتے ہیں۔ جوش اور ہوش کے تقاضوں میں توازن کی طرف سے توجہ ہٹا دے سکتے ہیں۔ سست گامی اور بے عملی کو حکمت و دور اندیشی کا مقتضا باور کرا دے سکتے ہیں اور پھر خوش نما تاویلوں کا ایسا انداز بھی سکھا دے سکتے ہیں کہ آدمی خود اپنے آپ سے چھپ کر رہ جائے۔ جب انسانیت کا اندرونی ماحول ایسے خوفناک اندیشوں سے بھرا ہوا ہے تو ضروری ہے کہ ہم غیر معمولی حد تک چوکنے رہیں۔ اس بے دار مغزی کا ثبوت دیتے رہیں جس کا مطالبہ ہم سے ہمارا نصب العین کر رہا ہے تاکہ ہماری تحریکی راست فکری اور راست روی پوری طرح محفوظ رہے۔ شیطان کا کید بڑا بے پناہ ہوتا ہے۔ اللہ کے مخلص بندوں کیلئے وہ نہ جانے کیسے کیسے جال بچھاتا رہتا ہے۔ حق کے طالب کو فضولیات میں الجھا کر رکھ دینے کے لئے پرفریب تاویلوں کا القا کیا کرتا ہے۔ آدمی کو ریاض اور مجاہدے کی راہ سے ہٹا کر تن آسانیوں کا خوگر بنا دینا اس کا محبوب ترین مشغلہ ہے حق اور باطل کے

آمیزے تیار کر کے بندگان خدا کے ذہنوں میں اتار دینا اس کا آزمودہ اور نہایت کارگر نسخہ ہے۔ وہ اپنی ان کوششوں کو اس وقت تک ترک نہیں کرتا جب تک کہ ابن آدم کو وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا (سورۃ الکہف) کے مقام عبرت تک نہ پہنچا دے۔ عام لوگوں کے لئے بھی یہ خطرہ کچھ کم سنگین نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کے لئے اس خطرے کی سنگینی کی کوئی انتہا نہیں ہوتی جو اللہ کے دین کی نصرت اور اقامت کیلئے اٹھے ہوئے ہوں لہذا اس امر کی شدید ضرورت آج بھی ہے اور ہر آنے والے کل کے دن بھی رہے گی کہ ہم اپنے اندرون کا برابر جائزہ لیتے رہیں اور پوری دقت نظر سے دیکھتے رہیں کہ نفس اور شیطان کی فریب کاریاں ہمیں اور ہمارے انداز فکر کو اپنا شکار بنا لینے کی کوششوں میں کسی پہلو سے کامیاب تو نہیں ہو رہی ہیں۔ اس جائزے اور خود احتسابی کے بغیر نہ تو فکر وعمل کی راہ راست پر استقامت کے ساتھ چلتے رہنے کی ضمانت ہو سکتی ہے، نہ اس فریضہ اقامت دین کا کم سے کم حق ادا ہو سکنے کی توقع کی جا سکتی ہے جس کی ادائیگی کا عہد ہم نے اپنے رب سے کر رکھا ہے۔''

آخری نکتہ میں اس فکر انگیز گفتگو کے بعد جو سوالات فطری طور پر پیدا ہو سکتے تھے مثلاً یہ مطلوبہ صفات کس طرح پیدا ہو سکتی ہیں۔ نصب العین سے سچا قلبی لگاؤ اور اس کا استحضار کیسے پیہم برقرار رہ سکتا ہے، تحریکی شعور کیوں کر بیدار رکھا جا سکتا ہے۔ وقت کے نظریاتی فتنوں کی یلغار سے ذہنوں کو محفوظ کیسے رکھا جا سکتا ہے؟؟؟

''ان سوالوں کا جواب قرآن حکیم کے اندر آپ کو جگہ جگہ مل جا سکتا ہے۔ میں اس وقت اس کے صرف ایک ارشاد کے الفاظ سنا دینے پر اکتفا کروں گا۔

یا ایھا الذین آمنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا (انفال: ۲۹) اے ایمان والو! اگر تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہارے اندر حق اور باطل کے درمیان تمیز کر لینے والی قوت پیدا کر دے گا۔

یہ کلمات خداوندی اگرچہ چند ہی ہیں مگر ان کے اندر واضح طور سب کچھ موجود ہے جو ہم اس وقت جاننا چاہتے ہیں۔ ضرورت صرف اتنی ہے کہ ان کی گہرائیوں میں اتر کر غور کیا

جائے اور صرف غور ہی نہ کرلیا جائے بلکہ صدق دل سے یہ دعا بھی کی جائے کہ بار الہا! ہم سب کو تقویٰ کی اس نعمت سے نواز دے اور برابر نوازے رکھے۔ جو بندۂ مومن کیلئے راہ حق کا چراغ روشن کئے رہتی ہے۔ تاکہ تیرے یہ کمزور وناتواں بندے جو تیرے دین کی اقامت کیلئے اٹھے ہیں کہیں بھی اور کبھی بھی نہ ہمت چھوڑ بیٹھیں، نہ کسی غلط رخ کی طرف نادانستہ مڑنے پائیں۔ آمین!

”رفیقو! اس وقت جو کچھ کہہ سکتا تھا کہہ چکا۔ ان معروضات کی حیثیت کسی رہنمائی کی نہیں تھی بلکہ صرف یاددہانی کی تھی۔ ان کے اندر کوئی نئی بات بھی نہیں تھی، بلکہ بہت کچھ آپ کا بارہا سنا اور پڑھا ہوا تھا۔ اس کے باوجود میں نے باتیں آپ کے سامنے اس لئے رکھی ہیں کہ آدمی رہنمائی کا محتاج تو صرف ایک وقت تک ہوتا ہے یا کبھی کبھار ہوجایا کرتا ہے مگر یاددہانیوں کا محتاج وہ ہمیشہ رہتا ہے۔“

یہ ہیں مولانا اصلاحی کے الفاظ وجذبات جو تحریک ودعوت اور اس کے وابستگان کے سیاق میں پیدا ہوئے ہیں یہ غور وفکر کا بڑا وسیع تقاضا رکھتے ہیں۔ ان کی حیثیت صرف تذکیر ونصیحت ہی کی نہیں ہے۔ بلکہ یہ تحریک اسلامی کے سب سے بڑے عالم قرآن کی آخری نصیحت بھی ہے۔ ایسی نصیحت جس پر ایک دنیا کی بھلائی کا انحصار ہے۔

مولانا کی شخصیت ہمیشہ مرکز امید ہوا کرتی تھی۔ نہایت جذباتی اور افسردہ لمحوں میں مولانا امیدوں کیلئے افق روشن کردیتے تھے۔ ایس، آئی، ایم کی تاسیس کے چند ماہ بعد پوکھرا (نیپال) میں طلبہ ونوجوانوں کی فکری تربیت کا بہت اہم کیمپ رکھا گیا تھا جس میں تحریک اسلامی سے وابستہ نئی نسل کے تمام اہم نمائندے موجود تھے اور تحریک اسلامی کی اعلیٰ سطحی قیادت تربیت ورہنمائی کررہی تھی۔ غالباً یہ پہلا موقع تھا جس میں اسلامی تحریک کے تمام مسائل کا احاطہ کیا گیا تھا اور اس کی چوٹی کی قیادت نے تکلف وتحفظ کے بغیر اس کے مسائل وتقاضوں پر کھل کر اظہار خیال کیا تھا۔ مولانا کی زیر صدارت ایک مذاکرہ۔ تحریک اسلامی کا فکری انتشار اسباب وسد باب کے موضوع پر منعقد ہوا تھا تحریک اسلامی کے اہل فکر اور نوجوان نسل کے نمائندوں نے تفصیل سے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ صورت

حال بڑی نازک، خیالات پریشان اکابرین جماعت کی لئے تشویش انگیز تھی۔ مولانا نے اپنے مختصر صدارتی خطاب میں جو کچھ فرمایا اس کا مفہوم کچھ اس طرح تھا۔

اختلاف فطری ہے اس سے بچنا ممکن نہیں وہ اختلاف تشویش ناک ہے جس کے نتیجہ میں جمود وبے عملی پیدا ہو نصب العین سے گہرا تعلق اور جوش عمل موجود ہو تو ہر قسم کی تلافی کی جاسکتی ہے۔ مولانا نے بتایا کہ اس وقت جو صورت حال ہے وہ اسی کمی کا نتیجہ ہے۔ اس وقت نوجوانوں کی گرمی جذبات نے اکابرین کو بھی متاثر کردیا تھا۔ تنقید واحتساب اور تجزیہ کی روش غالب تھی۔ مسرت، افسردگی، جھنجھلاہٹ اور حزن کا پلڑا جھک رہا تھا مولانا نے حکیمانہ نفسیات کے تحت واقعی صورت حال کا اعتراف کرتے ہوئے جذبات، توانائیوں اور توجہات کو اصل مسئلہ اور صورت حال کے بنیادی چیلنج کی طرف موڑ دیا اور بین السطور میں اکابر واصاغر نوجوانوں اور بزرگوں کو یہ پیغام دیا کہ واقعی صورت حال اگر بدلنا چاہتے ہوں تو ان اسباب کو دور کرنے اور اپنی انفرادی وداخلی کمزوریوں پر توجہ دیں۔ محض غور وفکر احتساب وتجزیہ مفید نہیں ہوسکتا چند لفظوں میں اصل حقیقت واضح کردی۔ مولانا نے جماعت کے اندر ہمیشہ فکری واصلاحی کوششیں جاری رکھیں۔ وابستگان جب بھی رجوع کرتے تو اصل صورت حال واضح کردیتے۔ اپنی رائے اور تشویش کے پہلو بتاتے۔ اپنی سطح سے ہر ممکن کوشش کی کہ جماعت کا سفینہ فکری بحران سے نکل کر یکسوئی اور فکری صلابت کے ساتھ اصل کار دعوت پر قائم رہے اور جو ناپسندیدہ صورت حال پیدا ہوگئی ہے اس کا خاتمہ ہو۔ اتحاد ویکجہتی اعتماد وتعاون جوش وعمل کی وہ کیفیت نہ صرف یہ کہ بحال ہو بلکہ رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوتا رہے اور اپنی سطح سے کوئی غیر معیاری اور غیر ذمہ دارانہ عمل سرزد نہ ہو اس کا سختی سے پاس رکھا جائے۔ بہی خواہان تحریک اسلامی مختلف مرحلوں میں اپنی تجاویز کے ساتھ مولانا سے ملتے۔ دردنہاں کا اظہار کرتے اصلاح احوال کے لئے اقدام کی صورتوں پر غور کرتے رہتے لیکن قرآنی پیمانہ کے مطابق نفع وضرر کے تناسب کا اندازہ کرکے مولانا مفید اور دوٹوک مشورے دیتے رہے۔ کسی انتشار، بدمزگی اور اختلاف کو سر ابھارنے کا موقع نہیں دیا ہمیشہ مثبت اور تعمیری کوششیں کیں اور اسی کی پذیرائی وحوصلہ افزائی بھی کی۔

مولانا علم وحکمت اور فہم دین کے اعتبار سے بڑے نمایاں تھے۔ مولانا کے ہم عصر دوست اور قدر داں مولانا سید حامد علیؒ نے ایک بار مولانا کا تقابل مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ سے کرتے ہوئے اپنی رائے اس طرح دی تھی۔

”مولانا مودودیؒ کا مطالعہ بہت وسیع وہمہ گیر ہے مولانا صدرالدین اصلاحی کے مطالعہ میں وہ وسعت وہمہ گیری نہیں پائی جاتی لیکن اگر صرف اسلامیات کی حد تک بات ہو تو صدرالدین صاحب کا مطالعہ زیادہ عمیق اور گہرا ہے۔“ یہ ایک بلند پایہ عالم اور تحریک اسلامی کے ممتاز رہنما کی رائے ہے اور بہت اہم ہے اس وجہ سے بھی کہ مولانا مودودیؒ ان کے محسن وممدوح اور مولانا اصلاحی دوست وہم سفر ہیں۔ وہ دونوں سے خوب واقف تھے اور رائے دینے کا حق رکھتے تھے۔

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ عہد زوال کے ایک حوصلہ مند عالم ومفکر تھے دینی علم حاصل کرتے ہوئے عروج واقبال کا ایک خواب دیکھا تھا۔ اپنی طویل عمر میں فکری، جذباتی اور تنظیمی مدوجزر سے گزرنے کے باوجود پوری استقامت کے ساتھ اس کی تعبیر ڈھونڈتے رہے۔ فکر وذہن اور جسم وجاں کی تمام توانائیاں اس خواب کو حقیقت بنانے میں صرف کردیں۔ اپنے ایمان وعمل کا امتیازی صلہ حاصل کرنے کیلئے اپنے رب کے جوار رحمت میں جا پہنچے۔ سوال یہ ہے کہ پس ماندگان وسوگواران اصلاحی کیا کررہے ہیں اور کیا کرسکتے ہیں کہ وہ خواب آج بھی اپنی تعبیر چاہتا ہے کیوں کہ وہ خواب اب خواب پریشاں بنتا جارہا ہے یا دیوانے کا خواب کہا جانے لگا ہے اور تعبیر کی افق پر دھندی چھاگئی ہے فکر وعمل کی سیاہی روز افزوں ہے اس غبار آلودگی اور تاریکی میں اس خواب کی کوئی تعبیر بھی ممکن ہوگی؟

”لائق تربیت“

”آخری درجہ کے سالانہ امتحان میں حجۃ اللہ البالغہ کا پرچہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بنایا تھا وہ مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب کے جوابات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی کاپی پر ”لائق تربیت“ تحریر فرمایا۔“

(ضیاءالدین اصلاحی وفیات معارف دسمبر ۱۹۹۸ء ج ۱۶۲ عدد ۶ (۴۶۸))

تحریک اسلامی ہند کے گل سرسبد

مولانا صدرالدین اصلاحی

عبدالحق فلاحی
مرکز جماعت اسلامی ہند
ابوالفضل انکلیو، اوکھلا، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

تحریک اسلامی ہند کے اولین مرکز دارالاسلام پٹھان کوٹ میں سید ابوالاعلیٰ مودودی علیہ الرحمۃ کے اولین رفیق اور برصغیر کے ممتاز عالم دین اور مفکر مولانا صدرالدین اصلاحی کا ۱۳ر نومبر ۱۹۹۸ء کو اپنے وطن پھول پور ضلع اعظم گڑھ (یوپی) میں بروز جمعہ علی الصبح ۳۰-۶ بجے انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون وہ (۸۲) سال کے تھے ان کے انتقال سے تحریک اسلامی ہند کے ایک دور کا خاتمہ ہوگیا ہے۔

گذشتہ دو دہائیوں سے تحریکی قائدین اور صف اول کے علماء ایک ایک کرکے ہم سے جدا ہوتے جارہے ہیں اور بظاہر ان کا کوئی نعم البدل بھی نظر نہیں آرہا ہے اور نہ یہ سلسلہ تھمنے میں آرہا ہے ۱۹۷۹ء کے اواخر (ستمبر) میں قائد اول مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے ارتحال کا سانحہ پیش آیا اور پھر تو ایک سلسلہ سا لگ گیا مولانا سید احمد عروج قادریؒ، مولانا جلیل احسن ندویؒ، مولانا عبدالحیؒ، مولانا ابواللیث صاحبؒ، محمد مسلم صاحبؒ ایک ایک کرکے رخصت ہوئے اور اب مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب کا سانحۂ ارتحال قلب وذہن پر ایک بجلی بن کر گرا جس کی ٹیس اور تڑپ ہر کہ ومہ محسوس کررہا ہے کون تعزیت کرے اور کس کی تعزیت کرے؟ یقیناً ہم سبھی تعزیت کے مستحق ہیں ایک بیش قیمت سرمایہ ہم سے چھن گیا ہے اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کی قبروں کو نور سے بھردے اور ان کے درجات بلند فرمائے نیز اپنے خصوصی فضل وکرم سے اس خلاء کو پر فرمائے۔

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مولانا صدرالدین اصلاحی مرحوم ظاہری اور معنوی دونوں

اعتبار سے ایک قد آور شخصیت تھے ایک صاحب وقار انسان تھے عظمت اور بلندی ان سے عبارت تھی وہ اقبال کے مرد مومن کا ایک حسین اور دل آویز مرقع تھے!

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پر سوز یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

ار مئی ۱۹۷۱ء سے ہی گوں ناگوں بیماریوں اور مختلف عوارض سے نبرد آزما رہنے کے باوجود ان کا کشیدہ قامت کبھی ختم ہوتے نہ دیکھا گیا اگر یہ کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا کہ ان کی ظاہری استقامت اور تیر کی طرح سیدھا جسم ان کی اندرونی پختگی، اصابت رائے اور سلامت روی کا مظہر تھی حتی کہ ان نام (صدر الدین) بھی اسم با مسمیٰ اور ان کی جامع کمالات شخصیت کا آئینہ دار تھا مولانا مرحوم کی دستخط بھی ان کے فکر اور جوہر کردار کی عکاسی کرتی تھی نمونہ دستخط ملاحظہ ہو آپ اس میں دیکھیں گے کہ وہ دین کی امانت کو اپنے صدر (سینہ) میں نہایت احتیاط اور حفاظت سے لئے ہوتے ہیں۔

جس ژرف نگاہی اور تدبر و تفکر سے علی وجہ البصیرت انہوں نے دین حنیف کی تشریح کی اور عصر حاضر میں اس کی ترجمانی و تطبیق کا فریضہ انجام دیا وہ ان ہی کا حصہ تھا۔

ابھی گذشتہ موسم سرما کی بات ہے مولانا ہمارے درمیان یہاں مرکز جماعت میں تشریف فرما تھے وہ اپنے علاج کے سلسلہ میں شہر دہلی میں اپنی صاحبزادی کے یہاں قیام پذیر تھے مولانا کا حاضر ذہن، شگفتہ چہرہ، تیز تیز قدموں سے مسجد جانا اور ذمہ داران جماعت اور رفقاء سے پورے نشاط کے ساتھ گفتگو و ملاقات...... یہ سب لگتا ہے ابھی کل کی بات ہو۔ مولانا مرحوم سے میری آخری ملاقات اسی موقع پر جنوبی دہلی کی کالونی غفار منزل میں ان کی صاحبزادی کے گھر ہوئی خیر و عافیت اور کچھ مختصر بات چیت کے بعد مولانا تلاوت اور مطالعہ قرآن میں محو ہو گئے۔ تخت پر بیٹھ کر انہیں اس طرح قرآن پڑھتے دیکھا جیسے ایک طالب علم انتہائی انہماک اور یکسوئی کے ساتھ پڑھتا ہے۔

مولانا مرحوم شیدائے قرآن تھے اور یہی ان کے غور و فکر اور سوچ بچار کا مرکز و محور تھا اس کو وہ تمام مسائل زندگی اور مشکلات حیات کا حل اور شاہ کلید سمجھتے تھے عملاً بھی انہوں نے اسی کو بنیاد بنا کر سوچا اور اپنے پیچھے کم و بیش دو درجن کتابوں کا ذخیرہ چھوڑا جو امت مسلمہ کی

بالعموم اور ملت اسلامیہ ہند کی بالخصوص ایک طویل عرصہ تک رہنمائی کا کام دیں گی اساس دین کی تعمیر، اسلام ایک نظر میں، معرکہ اسلام و جاہلیت، دین کا قرآنی تصور، اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ، حقیقت نفاق فریضہ اقامت دین تحریک اسلامی ہند، اسلام اور اجتماعیت جیسی شاہ کار کتابیں تحریکی لٹریچر کے عطر اور خلاصہ کی حیثیت رکھتی ہیں "دین کا قرآنی تصور" کو تو مولانا اپنی سب سے قیمتی اور پسندیدہ کتاب قرار دیتے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ ہندی، انگریزی اور دیگر زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو کر عام لوگوں تک پہونچے۔

عصر حاضر کی مقبول ترین اردو تفسیر تفہیم القرآن جو چھ جلدوں پر محیط ہے کی ایک جلد میں تلخیص کر کے مولانا مرحوم نے گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے اس کی تالیف پر خود صاحب تفہیم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے پسندیدگی اور مسرت کا اظہار فرمایا تھا یہ ان کا ایک عظیم کارنامہ ہے جس سے بلاشبہ ہزاروں لاکھوں لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔

۱۹۵۰ء کی دہائی میں مولانا مرحوم نے "تیسیر القرآن" کے نام سے ایک آسان اور جامع تفسیر غیر مسلموں کے پیش نظر لکھنی شروع کی تھی جن کا سلسلہ البقرۃ تک پہونچ کر بعض اسباب کی بنا پر موقوف ہو گیا تفسیر قسطوار ماہنامہ زندگی رامپور میں شائع ہوئی تھی اور اس کے پہلے پارہ کا ہندی ترجمہ بھی کتابی صورت میں شائع ہو گیا تھا۔

ہم میں سے بہت سوں کی عمر طبعی بھی ساٹھ سال نہ ہوگی مگر مولانا مرحوم کی تحریکی زندگی کا عرصہ ساٹھ سال سے بھی کچھ اوپر ہے بعض حضرات کو اس پر تعجب اور حیرت ہوتی ہے کہ مولانا اختر احسن اصلاحیؒ اور مولانا صدر الدین اصلاحیؒ جیسے لوگ آخر جماعت اسلامی سے کیوں وابستہ ہوئے جب کہ وہ خود اپنی ذات میں ایک انجمن تھے عرض ہے کہ یہ ان مرحوم بزرگوں کی وسعت نظر ژرف نگاہی دور اندیشی اور بلند فکری کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اپنی ذات سے لے کر ملک و ملت اور دین اسلام کی فلاح و بہبود اور اس کے قیام و بقا کو تحریک اور جماعت سے وابستگی میں مضمر پایا اور زندگی کی آخری سانس تک اس سے وابستہ رہے اور اس کے لئے مسلسل سوچتے اور غور و فکر کرتے رہے مولانا سے صحیح تعلق ان سے سچی محبت اور تعلق خاطر کا تقاضا اور ان کو حقیقی خراج عقیدت یہی ہو سکتی ہے کہ جس فکر آئیڈیالوجی اور نصب العین کو مولانا نے سوچ

مجبور کر اختیار کیا اور زندگی بھر اس سے نہ صرف یہ کہ وابستہ رہے بلکہ اسے ایک بیش بہا متاع سمجھ کر اپنے خون جگر سے اس کی آبیاری کرتے رہے اسے موضوع غور وفکر بنایا جائے اور اگر اس میں بہتری نظر آئے تو اسے اختیار بھی کیا جائے ورنہ خراج عقیدت کی لفظی سوغاتوں کا کوئی خاص حاصل نہیں اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر مولانا مرحوم نے قرآنی افکار کی اشاعت کے لئے تحریک وتنظیم کا پلیٹ فارم استعمال نہ کیا ہوتا اور اس ہیئت اجتماعیہ سے وابستہ نہ ہوئے ہوتے آج کتنے لوگ مولانا کو جانتے اور ان کے افکار کی اشاعت کس سطح پر ہوتی؟ یہی بات مولانا اختر احسن صاحب کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے اس طرح کا اظہار تعجب کرنے والے اصل مولانا کی عقل ان کی فہم وفراست اور صواب دید پر سوالیہ نشان لگاتے ہیں۔

مولانا مرحوم ایک اعلیٰ درجے کے محقق کامیاب مصنف، دیدہ ور مفکر اور پختہ کار رہنما تھے تحقیق اور مطالعہ کا ان کا اپنا طریقہ تھا جو ابنائے زمانہ کی عام روش سے قطعاً مختلف تھا جس میں میٹر تو بہت کم ہوتا ہے اور حوالے بہت زیادہ ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط علمی فکری زندگی میں صرف دو درجن کتابیں ہی منظر عام پر آسکیں جب کہ ان سے کم تر درجہ کے لوگ تھوڑے عرصہ میں بہت ساری کتابوں کے مصنف بن جاتے ہیں غالباً یہی وجہ ہے کہ امت نے مولانا کو وہ مقام نہیں دیا جس کے وہ مستحق تھے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مولانا شہرت ونمائش اور ظاہری تام جھام سے کوسوں دور تھے اس کا اندازہ امیر جماعت اسلامی ہند کے اس تعزیتی بیان سے بھی ہوتا ہے کہ "مولانا صدرالدین صاحب کا مضمون "اساس دین کی تعمیر" میں نے ماہنامہ زندگی میں پڑھا تھا اور ان کا بہت بڑا ہیولیٰ میرے ذہن میں قائم ہوا مگر جب ۱۹۵۲ء میں کل ہند اجتماع حیدرآباد کے موقع پر انہیں پہلی بار دیکھا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کبھی مضمون کا خیال کرتا اور کبھی مصنف کو دیکھتا"۔

انسانی اور کونی علوم ہوں یا کہ دینی علوم ...... ہر شعبہ میں غیر معمولی پھیلاؤ آیا ہے اور اس پھیلاؤ نے اتنی ترقی اور وسعت اختیار کرلی ہے کہ اس کا احاطہ کرنا مشکل ہوتا ہے اسی کے ساتھ مختلف علوم وفنون کے ماہرین اور *Specialists* بھی اپنی جگہ بناتے جارہے ہیں موجودہ دور کو *Explosion of Knowledge* کے دور سے تعبیر کیا جانے لگا ہے لیکن یہ ایک

حقیقت ہے کہ علوم ومعارف کے غیر معمولی پھیلاؤ نے انسان کے اخلاق وکردار اور اس کی طرز نظر میں بلندی لانے کے بجائے اسے پستی کے دلدل میں ڈھکیل دیا ہے کیا یہ جاننا حیرت نہیں ہے کہ اہل علم وہنر اپنی مدح سرائی خود کرتے پھرتے ہیں یا دوسروں کے حوالے سے اس کا ذکر کرتے ہیں یا اپنے ماتحتوں اور نچلی قطار کے لوگوں سے یہ کام کرواتے ہیں اور اپنے اداروں سے شائع ہونے والے پرچوں میں اپنے کارنامہ حیات پر تحقیقی مضامین شائع کراتے ہیں یا کم از کم اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں؟ چھوٹے موٹے اور بڑے بڑے قومی اور بین الاقوامی ایوارڈ حاصل کرنے کے لئے جوڑ توڑ اور جگت جگاڑ کرتے ہیں؟ اس دور تنزل میں مولانا صدرالدین صاحب کی شخصیت بسا غنیمت تھی جو زندگی بھر اس طرح کی مدح وستائش اور اعزاز وتمغہ کے حصول سے بے نیاز رہی قلندری ودرویشی اور فقر واستغنا، مولانا کا ایسا امتیازی وصف ہے جو قابل رشک ہے۔

مولانا مرحوم قلم کے استعمال میں انتہائی محتاط تھے بلاضرورت ایک پیراگراف اور جملہ تو کجا، ایک لفظ بھی زائد لکھنے کے روادار نہ تھے یہ بات ان کی تحریروں کا مطالعہ کرنے والے محسوس کرسکتے ہیں جو کچھ لکھتے، کافی غور وفکر اور تدبر کے بعد لکھتے اس کی وجہ سے ان کی تحریر انتہائی مزبوط ومدلل ہوتی اور علمی حلقوں میں اس کا وقار اور وزن محسوس کیا جاتا۔ مولانا مرحوم کے اس مزاج کی شہادت کافی عرصہ (۳۵ سال) تک ان کے فیض صحبت میں رہے مولانا سید جلال الدین عمری صاحب نے دی ہے اور یہ لطیفہ بھی ان ہی کا بیان کیا ہوا ہے کہ قیام رامپور کے زمانہ میں مولانا مرحوم کے ذمہ کوئی کتاب لکھنے کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی ایک روز مولانا جلیل احسن ندویؒ (جو ثانوی درسگاہ رامپور میں استاذ تھے) نے ان سے یوں ہی پوچھا کہ کیا وہ کتاب تیار ہوگئی مولانا نے نفی میں جواب دیا مولانا جلیل احسن صاحب نے ازراہ تفنن طبع ان سے کہا کہ ابھی تو وہ ۹ ماہ تک آپ کے پیٹ میں رہے گی تب کہیں جاکر باہر آئے گی۔ مولانا نے برجستہ جواب دیا کہ ہاں تبھی وہ انسان کا بچہ کہلائے گی"۔

حضرت الاستاذ مولانا جلیل احسن ندویؒ کے آخری مجموعہ حدیث "سفینۂ نجات" کے پیش لفظ میں مولف کا تعارف کراتے ہوئے مولانا صدرالدین صاحب لکھتے ہیں:

”مرحوم ایک زبردست عالم دین کی حیثیت سے تو معروف تھے ہی ایک صاحب قلم کی حیثیت سے بھی غیر معروف نہیں تھے وہ عربی کے بھی بلند پایہ ادیب تھے اور ان کی اردو بھی بڑی شگفتہ تھی یہ کتاب ان کی صلاحیتوں کا ایک نمایاں مظہر ہے“

اس عبارت میں لفظ ”غیر معروف“ کا استعمال قابل توجہ ہے یہ تحریر مولانا جلیل احسن صاحب کے انتقال کے بعد لکھی گئی ہے کسی کی زندگی میں اس کی تعریف کرنے میں لوگ تھوڑی احتیاط کر لیتے ہیں مگر اس کے دنیا سے چلے جانے کے بعد کوئی ایسی رکاوٹ نہیں رہ جاتی مگر خوبیوں اور صلاحیتوں کے اعتراف اور اس کے اظہار میں مولانا مرحوم کی ہر احتیاط ہم سب کے لئے قابل غور ہے ہماری علمی اور ادبی مجلسوں میں جس فیاضی اور بے تکلفی کے ساتھ لوگ رودر رو عظیم شاعر، عالم بے بدل مصنف بے مثل اور خطیب دوراں کے اعزازات والقاب سے نوازتے ہیں اسے دیکھ کر بعض اوقات حیا اور شرم آتی ہے اور علم وادب کی ناقدری اور بے وقعتی پر افسوس ہوتا ہے۔

علمی وفکری تفوق اور امتیازی حیثیت کا پندار مولانا کے قریب بھی نہ پھٹکا اور نہ اپنے ہم عصروں سے بھی ان کا رشک ورقابت کا رشتہ رہا یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ چاہے وہ روحانی سلسلہ ہو یا علمی میدان اچھے اچھے لوگ بھی معاصرت کے فتنہ میں مبتلا پائے گئے جن پر امت کے ایک بڑے طبقہ کا اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے میں اسے مولانا مرحوم کا ایک امتیازی وصف شمار کرتا ہوں کہ وہ اس فتنہ سے یکسر پاک اور محفوظ تھے۔

مولانا مرحوم اگرچہ اپنے مقام ومنصب کے اعتبار سے جماعت کے فکری رہنما اور مرکزی قائد کی حیثیت رکھتے تھے تاہم دیکھنے والوں نے یہ دیکھا اور محسوس کیا کہ وہ اعظم گڑھ کے چھوٹے موٹے ضلعی سطح کے پروگراموں میں بھی شرکت کا اہتمام کرتے اور عام شرکاء اجتماع کے درمیان جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے اور کسی نمایاں مقام پر بیٹھنے کی خواہش نہ کرتے مولانا مرحوم کا یہ اسوہ ہر سطح کے قائدین اور رہنماؤں کے لئے بہترین نمونہ ہے۔

مولانا کی رنگت اگرچہ بہت سانولی تھی مگر قلب بیدار اور دماغ روشن تھا ان کا چہرہ نور ایمانی سے منور اور سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود کا پیکر تھا جسم کا چھریرا

پن ان کی سبک رفتاری اور تیز گامی میں معاون تھا نزار اور نحیف جسم کو ان کی روحانی قوت اور ایمانی حرارت نے توازن عطا کیا تھا جس کی بنا پر وہ ربع صدی تک بیمار رہ کر بھی انتہائی حاضر دماغ حالات حاضرہ سے واقف، جماعت کے حالات سے باخبر اور پیش آمدہ مسائل میں اپنی سوچی سمجھی رائے رکھنے والے کی حیثیت سے جانے جاتے رہے اور حتی المقدور علمی وفکری رہنمائی کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے۔

اسی کے ساتھ مولانا ایک سچے خدا پرست انسان اور عابد وزاہد بھی تھے فرائض کے علاوہ اذکار ونوافل کا اہتمام بھی فرماتے عمر گذرنے کے ساتھ تعلق باللہ میں اضافہ ہوتا گیا اذان سنتے ہی فرمادیتے جاؤ نماز ادا کرو، پھر بعد میں بات ہوگی“ مرکز جماعت کیمپس میں واقع مسجد میں عصر بعد میں مختصر تذکیر کیا کرتا تھا امام کے سلام پھیرنے کے بعد میں جیسے ہی تذکیر کے خیال سے اٹھا مولانا مرحوم نے آہستہ سے فرمایا: ابھی لوگ تسبیح وتہلیل میں مشغول ہیں تھوڑی دیر بعد تذکیر کیا کرو۔ چنانچہ اس کے بعد مسجد میں یہ معمول بن گیا۔

مولانا کے صرف علم اور فکر نے ہی ملت اسلامیہ ہند کے ارباب علم ودانش کو متاثر نہیں کیا بلکہ ان کے حلم وتواضع، کسر نفسی، شان استغنا، اعلیٰ ظرفی، زہد وتقویٰ اور حق گوئی وبے باکی نے لوگوں کے دلوں میں ان کی عظمت کا سکہ بٹھایا ان کی شفقت ومحبت، ملنساری اور خوردہ نوازی نے ذہن پر امٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

مولانا کے قدیم رفقاء کار اور شب روز ان کی صحبت میں رہنے اور ان سے کسب فیض کرنے والے مرکزی قائدین اور ذمہ داروں نے ۱۵ر نومبر کو مرکز جماعت میں منعقدہ تعزیتی نشست میں مولانا مرحوم کی زندگی پر بڑے موثر اور دل آویز انداز میں اظہار خیال کیا اور مولانا مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا۔ پورا مجمع اظہار غم کی تصویر بنا ہوا تھا اس موقع پر نائب امیر جماعت مولانا محمد شفیع مونس صاحب نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

”ترجمان القرآن میں مولانا کے مضامین پڑھ کر ان کے بارے میں اونچی رائے تھی۔ مولانا مودودیؒ کے بعد تحریک میں سیاسی اور علمی حیثیت سے میں مولانا صدرالدین صاحب کو دوسرے نمبر پر رکھتا ہوں، برصغیر میں مولانا مودودی کے بعد وہی دوسرا مقام رکھتے تھے۔“

ایک طویل عرصہ تک مولانا کے چشمہ فیض کے سیراب ہونے والے نائب امیر جماعت مولانا جلال الدین عمری صاحب نے فرمایا کہ "مولانا علمی اور فکری اعتبار سے اس دور کی ایک بڑی شخصیت تھے مولانا کو اپنے مزاج اور خاکساری کی وجہ سے وہ مقام نہ ملا جس کے وہ مستحق تھے جب کہ ان سے بہت چھوٹے لوگ بہت نمایاں نظر آتے ہیں جتنی گہرائی اور گیرائی کے ساتھ وہ غور وفکر کرتے اور اپنی رائے رکھتے تھے اس کی بنا پر ان کو صدر نشین ہونا چاہئے تھا مولانا نے جو علمی کام چھوڑا ہے اس سے ایک طویل عرصہ تک استفادہ کیا جائے گا۔"

مولانا مرحوم کی تحریروں کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے کہا کہ "مولانا مودودی کی تحریروں میں اجتماعیت اور تحریکیت کا پہلو حاوی ہے کہ اس میں فرد کا مقام دب گیا ہے مولانا صدر الدین صاحب نے فرد کی تربیت اور اس کی ارتقاء پر توجہ مرکوز کر کے اس کمی کو دور کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے" مولانا نے مزید فرمایا کہ "مولانا مودودیؒ کی کتابوں کے ساتھ مولانا صدر الدین صاحب کی کتابوں کو اگر ملا لیا جائے تو دین کا جامع اور مکمل تصور سامنے آجاتا ہے"۔

"امر واقعہ یہ ہے کہ مولانا صدر الدین صاحب کا کوئی بدل نہیں ہے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے جماعتی فکر کو انہوں نے پی لیا ہو اور خون بن کر وہ ان کے رگ و ریشہ میں دوڑ رہا ہو در اصل تحریکی فکر کو انہوں نے جذب کر لیا تھا کسی جماعت کو زندہ رہنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اندر ایسے افراد موجود ہوں۔"

اظہار خیال کے دوران کئی بار ایسے جذباتی لمحات بھی آئے کہ بڑی مشکل سے مولانا اپنے حواس پر قابو پا سکے کیوں کہ مولانا مرحوم سے ان کا صرف علمی تعلق ہی نہیں تھا بلکہ جذباتی اور روحانی تعلق بھی تھا۔

ثانوی درسگاہ رامپور میں مولانا کے قرآنی دروس میں شریک رہنے والے ڈاکٹر کوثر یزدانی ندوی صاحب نے کہا کہ "مولانا کا طرز تدریس ایسا ہوتا تھا کہ مطالب واضح اور آشکار ہوتے چلے جاتے اور متعدد زیر درس بڑی بڑی سورتیں مجھے زبانی یاد ہو گئیں۔"

مولانا رفیق قاسمی صاحب نے مولانا مرحوم سے اپنی رفاقت اور تعلق خاطر پر روشنی

ڈالتے ہوئے کہا کہ "مولانا ہمارے لئے مرجع کی حیثیت رکھتے تھے امارت حلقہ یوپی کے دوران جب بھی ان سے کسی علمی یا انتظامی مسئلہ میں رہنمائی چاہی تو مولانا نے بڑی خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور ہمیشہ بڑی شفقت ومحبت سے پیش آتے رہے۔"

مولانا کی موت بھی کتنی قابل رشک ہے جمعہ کا دن ہے صبح کا وقت ہے فجر کی نماز کے لئے تیمم کر کے مولانا بیٹھے ہیں بڑے صاحبزادے کو مسجد جانے کی ہدایت کرتے ہیں اور اسی اثناء میں ان کی روح پرواز کر جاتی ہے!

ان کے انتقال کی خبر سن کر ایک جم غفیر امنڈ پڑا مرکز جماعت سے بھی مرکزی قائدین مولانا جلال الدین عمری صاحب اور مولانا رفیق قاسمی صاحب پر مشتمل ایک وفد بذریعہ طیارہ مولانا کے جنازہ میں شرکت کے لئے روانہ ہو گیا مغرب بعد مولانا رفیق قاسمی صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی تین ہزار افراد نے اس جنازہ میں شرکت کی مرکز جماعت اسلامی ہند میں اس سے پہلے بعد نماز جمعہ امیر جماعت اسلامی ہند مولانا محمد سراج الحسن نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی حرم شریف مکہ مکرمہ میں بھی بعد نماز جمعہ غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی جس نے بھی اس جان کاہ حادثہ کی خبر سنی ہکا بکا رہ گیا مولانا نعیم صدیقی صاحب کو فون پر لاہور میں جب اس حادثہ کی اطلاع دی گئی تو وہ بے اختیار رو پڑے۔

ملک کے مختلف مقامات پر تعزیتی جلسے منعقد ہوئے جامعۃ الفلاح بلریاگنج جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی اور ابوالفضل انکلیو میں مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اور جامعۃ الفلاح کے ابنائے قدیم نے تعزیتی جلسے منعقد کر کے مولانا کے اوصاف حمیدہ پر روشنی ڈالی اور ان کے حق میں دعاء مغفرت کی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

از من سوال کردلم ایں چہ تیرگی — گفتم بغم کہ مہر درخشاں غروب شد
دیدم کشادہ زیر زمیں روزن بہشت — در سینہ زمیں مہ تاباں غروب شد

یہ شمارہ جنوری تا اپریل ۲۰۰۰ء پر مشتمل ہے۔(ادارہ)

☆ تحقیقات اسلامی	☆ زندگی نو
☆ کانتی (ہندی)	☆ افکار ملی
☆ رفیق منزل	☆ اللہ کی پکار
☆ تدبیر	☆ اردو بک ریویو
☆ ذکریٰ	☆ فکر صحت
☆ تعمیر حیات	☆ حجاب
☆ بتول	☆ نور
☆ ایوان اردو	☆ امنگ
☆ ھلال	☆ ھادی
☆ پیام تعلیم	☆ نرالی دنیا

مندرجہ بالا رسائل وجرائد کے علاوہ

قرآن مجید، تفسیر، حدیث، تاریخ، اسلامیات، کہانیاں، طبی کتابیں

مخمل اور لکڑی کی فینسی رحل بکس، اسکولی بیگ

اور اسٹیشنری کے لئے تشریف لائیں۔

البدر بک سنٹر

مہاجنی ٹولہ، سرائے میر، اعظم گڑھ

فون: (رہائش) ۳۰۹۳۸-۰۵۴۶۲

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ

فتح محمد

مہتمم مرکز علوم اسلامیہ منصورہ، لاہور

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لا ساقی

جماعت اسلامی ہند کے ممتاز راہنما، برصغیر کے بلند پایہ عالم دین مولانا صدرالدین اصلاحی مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۹۸ء کو ۸۲ سال کی عمر میں راہی ملک بقا ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ۳۶، ۳۷ء میں جب حصول علم کے آخری مرحلہ میں تھے۔ مولانا مودودیؒ سے قریب ہوئے اور مولانا مودودیؒ کی دعوت پر جمال پور پٹھان کوٹ ضلع گورداس پور کے مرکز میں تشریف لے گئے۔

مولانا صدرالدین صاحب تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں استاذ جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ کے مہتمم اور ثانوی درسگاہ رام پور کے ناظم اعلیٰ بھی رہے۔ علاوہ ازیں آپ ادارہ تصنیف اسلامی تحقیق علی گڑھ کے صدر رہ چکے تھے۔ جماعت اسلامی ہند میں وہ بالعموم مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن رہے اور ۱۹۵۴ء میں تقریباً چھ ماہ کے لئے جماعت اسلامی ہند کے امیر بھی رہے اور کئی بار قائم مقام امیر کی ذمہ داریاں بھی ادا کیں۔ کچھ عرصہ رنگون کے ایک دینی مدرسہ میں انہوں نے فرائض تدریس بھی ادا کئے۔ ان کی وفات کا صدمہ بھارت اور پاکستان میں یکساں طور پر محسوس کیا گیا۔ نہ صرف یہ کہ وہ ابتدائی ارکان میں سے تھے بلکہ ان کی کتابیں دعوت کی توضیح اور کارکنان کی تربیت کے لئے بلند مقام رکھتی ہیں۔ اور بہت شوق ورغبت سے پڑھی جاتی ہیں۔

راقم الحروف جماعت اسلامی سے ۴۳ء میں متعارف ہوا، ۴۴ء میں رکن بنا اس کے لٹریچر سے دین کا حقیقی تصور واضح ہوا، ترجمان القرآن کا مطالعہ مسلسل جاری رہا۔ ترجمان القرآن میں مولانا مودودیؒ کے علاوہ مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب کی تحریروں نے بھی متاثر کیا۔ مولانا صدرالدین صاحب سے ذاتی تعارف تو کبھی نہ ہوا، نہ ان سے خط وکتابت

تھی نہ ملاقات کا موقع ملا لیکن ان کے مضامین بذریعہ ترجمان القرآن دل و دماغ پر گہرے نقوش ثبت کرتے رہے اس وجہ سے ان سے ایک روحانی تعلق قائم رہا۔ مولانا صدرالدین سے پہلی ملاقات مولانا مودودی کی وفات کے بعد ہوئی جب کہ جماعت اسلامی ہند کا ایک بڑا وفد تعزیت کیلئے مرکز جماعت اسلام منصورہ لاہور آیا تھا۔ مولانا صدرالدین صاحب بھی اس وفد میں موجود تھے۔ ان کے کمرے میں تھوڑا سا وقت گذارنے کا موقع ملا لیکن گفتگو بہت کم ہوئی۔ مولانا کی سنجیدگی، نرم گوئی اور احترام حائل رہا۔ سرسری تعارف تک بات محدود رہی۔ لیکن ان کی تحریروں کی عظمت دل و دماغ پر طاری رہی۔

مولانا صدرالدین صاحب سیدھا سلطان پور ضلع اعظم گڑھ کے ایک دینی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ مڈل تک مروجہ تعلیم حاصل کی ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۷ء تک انہوں نے مدرستہ الاصلاح سرائے میر میں دینی تعلیم کے مراحل طے کئے مدرستہ الاصلاح سرائے میر ہند کی ایک وقیع اور مشہور درسگاہ ہے۔ جس سے کئی مشاہیر علماء فارغ التحصیل ہوئے ہیں۔

مولانا صدرالدینؒ ابھی ابتدائی طالب علم تھے کہ مولانا حمید الدین فراہی کا انتقال ہو گیا اور انہوں نے اپنی تعلیم کی تکمیل اس مدرسہ کے فارغین یعنی مولانا حمید الدین فراہی کے شاگردوں سے کی۔ خصوصاً مولانا امین احسن اصلاحیؒ سے بیش قیمت استفادہ کیا۔ مولانا صدرالدین صاحب کے ذوق علم کو مولانا فراہی کی تحریروں سے جلا ملی ہے۔

وہ تعلیم کے آخری مرحلہ میں ترجمان القرآن سے متعارف ہوئے۔ اس کا تذکرہ مولانا صدرالدین صاحب سہ روزہ دعوت دہلی کی خصوصی اشاعت ۷ر نومبر ۱۹۹۱ء کو انٹرویو دیتے ہوئے اس طرح کرتے ہیں:

> ''میں مدرستہ الاصلاح سرائے میر میں ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۷ء تک رہا۔ چند ماہ قبل ۱۹۳۶ء میں مجھے اپنڈے سائیٹس کا مرض ہو گیا۔ دوران علالت پہلی مرتبہ مجھے ماہنامہ ترجمان القرآن دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ اس زمانے میں حیدرآباد (دکن) سے شائع ہوتا تھا مجھے یہ بے حد پسند آیا اس سے قبل مجھے لکھنے کا ذوق تھا۔ مدرستہ الاصلاح کے قلمی پرچہ میں لکھا کرتا تھا چنانچہ میں نے ''نکاح

> کتابیں'' پر ایک چھوٹا سا مضمون لکھ کر مدیر ترجمان القرآن مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کو بھیج دیا یہ مضمون شائع ہو گیا اس کے بعد میرا ایک طویل مضمون ''مسلمان اور امامت کبریٰ'' تین قسطوں میں ۱۹۳۷ء کے پرچوں میں چھپ گیا یہ مضمون میری مشنری (تحریکی) زندگی کا دراصل نقطۂ آغاز تھا۔''

مذکورہ انٹرویو کے دوران مولانا ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

> ''یہ صحیح ہے کہ مولانا مودودی کی تحریروں سے مجھے تحریک ملی لیکن یہ فکر دراصل میرے اندر بحمداللہ پہلے سے موجود تھی اور یہ سب علامہ حمید الدین فراہی کا فیض تھا۔ علامہ مرحوم کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تمام تحریروں کو چاٹ چاٹ کر پڑھا کرتا تھا جو وہاں (سرائے میر) الماریوں میں محفوظ تھیں۔ ان کی تحریروں نے میرے ذہن کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے میں بڑا اہم رول ادا کیا۔ مولانا مودودیؒ کہا کرتے تھے کہ علامہ فراہی نے اپنے افکار و خیالات کے ذریعے لوگوں کو انقلاب کے دروازے پر لا کھڑا کر دیا ہے ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر ان کو پڑھا جائے تو منطقی طور پر ایک انسان وہی سب کچھ کرتا جائے گا جو جماعت اسلامی کر رہی ہے۔''

ترجمان القرآن سے قلمی معاونت قائم ہونے کے بعد ۱۹۳۷ء میں مولانا مودودیؒ نے فرمائش کی کہ ترجمان القرآن کے کاموں میں ہاتھ بٹانے کے لئے وہ ادارہ ترجمان القرآن پہنچ جائیں۔ ساتھ ہی مولانا نے ان کو یہ اطلاع بھی دے دی ترجمان القرآن حیدرآباد سے بستی جمال پور ضلع گورداس پور منتقل ہو رہا ہے اور علامہ اقبال کی تحریک اور خواہش پر ہو رہا ہے اور طے پا چکا ہے کہ مارچ ۳۸ء میں وہاں ادارہ دارالاسلام قائم کیا جائے اور اس کے ذریعہ دنیا میں اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد کا آغاز کیا جائے۔ اس مقام پر ایک زمین دار بزرگ چوہدری نیاز علی صاحب نے ایک قطعہ زمین (۶۰ ایکڑ) دینی کاموں کے لئے وقف کیا تھا۔ اور وہ وقف املاک میں ایک ایسا ادارہ قائم کرنا چاہتے تھے جو مسلمانوں کی اصلاح کے کام میں مدد و معاون ہو۔ وہ علامہ اقبال کے مشورے بھی حاصل کرتے

رہے۔اور علامہ کے مشورے سے ہی اس ادارے کی تشکیل کا خاکہ حاصل کرنے کے لئے مختلف حضرات سے خط و کتابت کرتے رہے۔مولانا مودودیؒ سے بھی مراسلت ہوئی۔یہ مراسلت ۳۶ - ۳۷ تک رہی۔(ماخوذ از تاریخ جماعت اسلامی از سید اسعد گیلانی)

چوہدری نیاز علی کی پرواز ایک دینی درسگاہ قائم کرنے تک تھی جب کہ مولانا کے پیش نظر ایک انقلابی کام تھا۔وہ ہندوستانی سیاست کا رخ موڑ کر ایک اسلامی ریاست کے قیام کے لئے جدوجہد کرنا چاہتے تھے۔اس لئے چوہدری نیاز علی کی وقف کردہ زمین کی بجائے مولانا اپنا ہیڈ کوارٹر کسی دوسرے مقام کو بنانا چاہتے تھے جہاں آزادی کے ساتھ اپنے نقشہ کے مطابق انقلابی تحریک کی ابتدا کر سکیں۔مولانا محترم جمال پور آنے کا فیصلہ کرنے میں متامل تھے۔مولانا کو اندیشہ تھا کہ شاید چوہدری نیاز علی صاحب اور ان کے قریبی ساتھی ان کے انقلابی فکر کی وجہ سے ساتھ نہ دے سکیں۔لیکن مولانا فرماتے ہیں کہ "اکتوبر ۱۹۳۷ء میں چوہدری نیاز علی صاحب از راہ کرم میرے پاس دہلی تشریف لائے پھر انہیں اپنے ساتھ جمال پور لے گئے، پھر وہاں سے لاہور جا کر علامہ اقبالؒ سے ملاقات کی۔اس تمام سفر میں مولانا نے چوہدری نیاز علی کو اپنے خیالات اور ارادوں سے پوری طرح آگاہ کرتے رہے اور جب ان سب سے واقف ہونے کے بعد انہوں نے مولانا کو یہاں آنے کی دعوت دی اور یقین دلایا کہ اپنی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے میں مجھ کو پوری آزادی ہوگی، جو میں نے فیصلہ کیا ہے مجھے اپنا ہیڈ کوارٹر الگ بنانے کی ضرورت نہیں، یہی جگہ دونوں کاموں یعنی دینی تعلیم و تربیت اور اسلامی نظام کی جدوجہد کا مرکز ہو سکتا ہے۔اسی فیصلہ کا نتیجہ ہے کہ میں یہاں منتقل ہو کر آیا ہوں۔"

لیکن یہ امر قابل افسوس ہے کہ چوہدری نیاز علی کی یقین دہانی کے باوجود ٹرسٹیوں کے اندر اختلاف کی فضا موجود رہی۔مولانا نے اپنا ایک خط ٹرسٹیوں کے نام مورخہ ۱۶؍اپریل ۱۹۳۸ء کو لکھا جس میں واضح کیا:

"ابتدائی تجاویز کو پیش کرنے سے پہلے ایک فقرے میں یہ بیان کر دینا چاہتا ہوں، اولین مسئلہ جس کا آپ کو فیصلہ کرنا ہے وہ یہ ہے کہ اگر آپ مجھ پر اعتماد کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ عمارت میں اپنے نقشے پر بناؤں تو مجھے

کامل اختیارات دیجئے۔اگر اسے آپ خود بنانے کا خیال رکھتے ہوں تو مجھ سے اب بھی صاف کہہ دیجئے تاکہ میں واپس چلا جاؤں کیونکہ میں واپس جانے کا نقصان گوارا کر سکتا ہوں مگر یہ بات میرے لئے ناقابل تحمل ہوگی کہ آپ ہر مرحلہ پر فرمائیں کہ پہلے فلاں کام کرو اور فلاں کام نہ کرو اور ہم فلاں کام کرنا چاہتے ہیں اور فلاں کام کرنا چاہتے۔" (ماخوذ از تاریخ جماعت اسلامی از سید اسعد گیلانی)

اس کے بعد ٹرسٹ کے اختیارات کے بارے میں کئی متبادل تجاویز زیر غور آئیں لیکن اتفاق رائے نہ ہو سکا۔اور یہ محسوس ہونے لگا کہ ٹرسٹ کے ٹرسٹیوں کو مولانا کے تصور دین اور طریق کار وغیرہ سے شدید اختلاف ہے۔

مولانا صدر الدین اصلاحیؒ نے مولانا کی دعوت قبول کر لی تھی لیکن عملاً پٹھان کوٹ پہنچنے میں دو ماہ کی تاخیر ہو گئی۔مولانا مودودیؒ مارچ ۳۸ء کو جمال پور پہنچ گئے اور ابتدائی کاموں کے سرانجام دینے میں مصروف ہوئے۔مولانا صدر الدینؒ مئی ۳۸ء میں پہنچ سکے۔اسی دوران علامہ اقبال کی صحت بگڑتی چلی گئی۔چنانچہ ۲۱؍اپریل ۱۹۳۸ء کو ان کی المناک وفات کا سانحہ پیش آ گیا۔مولانا مودودیؒ اور ان کے دیگر ساتھیوں نے اس کا شدید صدمہ محسوس کیا۔مولانا مودودیؒ نے جمال پور پہنچنے کے بعد اولین کام ادارہ دار الاسلام کی تاسیس کی طرف توجہ فرمائی۔۱۱؍اکتوبر ۱۹۳۸ء اس کے لئے تاریخ طے ہو چکی تھی۔جو لوگ مولانا محترم کے افکار سے متاثر تھے ان کی ایک قابل لحاظ تعداد کو اجلاس میں شرکت کی دعوت دی گئی۔مولانا مودودیؒ صاحب کے تیار کردہ دستور پر تقریباً ڈیڑھ درجن افراد نے غور کیا۔اس طرح دستور نے قطعی شکل اختیار کر لی۔اسی نوعیت کے وسیع تر عمل کے ذریعہ اگست ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی کی تشکیل ہوئی دونوں آراء کی باہمی مماثلت کی وجہ سے دونوں کے دساتیر میں الفاظ کا اختلاف تو محسوس کیا جا سکتا ہے لیکن مقاصد کا کوئی اختلاف نہیں۔

دستور العمل ادارہ دار الاسلام کے تحت توضیح مقصد کو اس طرح درج کیا گیا:

"اسلام محض ایک عقیدہ اور چند جسمانی عبادات اور مذہبی رسوم کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ ایک ضابطہ زندگی ہے۔جس کا دائرہ انسانی اعمال کے

تمام گوشوں کو اپنی حد میں سمیٹ لیتا ہے یہ ایک جامع تہذیب ہے جو ایک مکمل نظام عدل تمدن پیدا کرتی ہے جو لوگ اس تہذیب کے اصولوں پر ایمان رکھتے ہوں صرف وہی مسلمان ہیں اور مسلمان ہونے کے ساتھ ہی ان پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ انسانی تمدن کی بنیاد اسلام کے اصولوں پر قائم کریں۔''

مولانا صدرالدین صاحب ادارہ دارالاسلام کے تاسیسی ارکان میں شامل تھے۔ ان کے علاوہ مولانا عبدالعزیز شرقی، سید محمد شاہؒ، مستری محمد صدیق اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کو بھی تاسیسی رکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔

سوئے اتفاق سے بعد میں وہ خطرہ پورے طور پر سامنے آ گیا جو مولانا ابتدا ہی میں محسوس کر رہے تھے۔ چوہدری نیاز علی صاحب کو مولانا کی اسکیم سے شدید اختلاف ہو گیا اس پر مولانا نے وہاں سے چلے جانے کا ارادہ کر لیا۔ مولانا مودودیؒ نے ۴ جون ۱۹۴۰ء کو ایک خط کے ذریعہ اس کی اس طرح وضاحت فرمائی:

''پٹھان کوٹ کے قریب جہاں میں نے دارالاسلام کی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کا خیال کیا تھا وہ جگہ ایک زمیندار صاحب نے تمام اسلامی اغراض کے لئے وقف کر دی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ میری اسکیم سے متفق ہو نگے انہوں نے اصرار کے ساتھ مجھے بلایا۔ اس لئے میں وہاں چلا گیا تھا۔ مگر جب میں نے دیکھا کہ ان کے مقاصد کچھ اور ہیں تو میں وہاں سے لاہور چلا گیا۔'' (تاریخ جماعت اسلامی از سید اسعد گیلانی، ص ۲۵۳)

دارالاسلام ٹرسٹ کے ٹرسٹیوں اور مولانا کے درمیان تصور دین اور طریق کار میں اختلاف کی وجہ سے مولانا مودودیؒ ۱۹۳۹ء میں لاہور منتقل ہو گئے۔

مولانا صدرالدینؒ ایک سال تک جمال پور میں رہے۔ ۱۹۳۹ء میں مولانا مودودیؒ کے ہمراہ پھر لاہور منتقل ہو گئے ۱۹۴۰ء میں اعظم گڑھ اپنے گھر عارضی طور پر گئے اس دوران جنگ عظیم شروع ہو چکی تھی ملک کے حالات دگرگوں تھے۔ مولانا صدرالدین صاحب کے گھر کے حالات بھی فوری طور پر واپسی کی اجازت نہ دیتے تھے۔ اسی دوران

میں مولانا کی ان کے استاد مکرم مولانا امین احسن اصلاحیؒ سے ملاقات ہوئی۔ مولانا نے ان کو رنگون کے مدرسہ میں کچھ عرصہ کے لئے فرائض تدریس بجالانے کی فرمائش کر دی کیونکہ وہاں کے صدر مدرس مولانا بدرالدین اصلاحی صاحب کا انتقال ہو چکا تھا انہوں نے اپنے استاد مکرم کے حکم کی تعمیل کی۔ ۲۶ راگست ۱۹۴۱ء میں جب جماعت کا تاسیسی اجتماع لاہور میں منعقد ہوا تو مولانا صدرالدینؒ اس میں شریک نہ ہو سکے البتہ اکتوبر ۳۸ء ادارہ دارالاسلام کے تاسیسی رکن بن چکے تھے اس لئے جماعت کے تاسیسی اجتماع میں شریک نہ ہونے کے باوجود معنا تاسیسی رکن تصور کئے جا سکتے ہیں۔ اگرچہ مولانا مودودیؒ جمال پور کی بستی سے بالکل الگ تھلگ ہو چکے تھے لیکن چوہدری نیاز علی صاحب سے ایک گونہ تعلقات قائم تھے۔ مولانا کے جمال پور کی بستی سے چلے جانے کے بعد چوہدری نیاز علی صاحب دارالاسلام ٹرسٹ کی کارکردگی کو بہتر نہ بنا سکے اس لئے مولانا مودودیؒ نے ان سے یہ عمارتیں مستعار حاصل کیں اور پھر جمال پور پٹھان کوٹ چلے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد سابق ٹرسٹیوں نے استعفے دے دیئے اور چوہدری نیاز علی کی درخواست پر مولانا اور ان کے رفقاء نے ٹرسٹ کا انتظام سنبھال لیا اس طرح جمال پور پٹھان کوٹ جماعت اسلامی کا باقاعدہ مرکز قرار پایا۔ (ماخوذ از تاریخ جماعت اسلامی، ص ۲۵۴، از سید اسعد گیلانی)

اس طرح رنگون کے مدرسہ کی مصروفیات، گھریلو حالات اور جنگی خلفشار کی وجہ سے مرکز جماعت میں مولانا صدرالدین صاحب کی فوراً واپسی نہ ہو سکی سن ۱۹۴۵ء کے کل ہند اجتماع (بمقام مرکز جماعت دارالاسلام) میں آپ شریک ہوئے [illegible] یہ طے ہو گیا تھا کہ مولانا صدرالدینؒ مرکز میں مستقل قیام کریں گے لیکن سرائے میر [illegible] کے مدرسہ میں کچھ دشواریوں کے پیدا ہونے کے باعث مولانا صدرالدین کو چند ماہ کے لئے سرائے میر جانا پڑا، مدرسۃ الاصلاح میں حالات کی درستگی کے بعد اب مولانا صدرالدین کو مرکز میں پہنچنا ہی تھا کہ تقسیم ملک واقع ہو گئی۔ اس کے بعد جو ارکان ہند میں تھے ان کا ہند ہی میں رہنا مناسب تھا اور جو پاکستان میں تھے ان کو پاکستان کی جماعت کا رکن گردانا گیا۔ عین تقسیم کے موقع پر فسادات کے حالات میں دارالاسلام کے باشندگان کو پاکستان منتقل ہونا پڑا۔

بعد میں جماعت اسلامی کی پالیسی طے پائی کے دونوں ملکوں کی جماعتیں اپنے نظم کے اعتبار سے مستقل جماعتیں ہوں گی۔ ۱۶، ۱۷، ۱۸، اپریل کو الہ آباد کے اجتماع میں بھارت کی جماعت کا علیحدہ نظم قائم ہو گیا۔ مولانا ابوللیث ندوی بھارت کے امیر جماعت منتخب ہوئے اور ۱۸ ارکان پر مشتمل شوریٰ مقرر ہوئی مولانا صدرالدین بھی اس شوریٰ کے رکن مقرر ہوئے۔

مولانا کی تصانیف

مولانا کی تصانیف میں ایک خاص ترتیب زمانی بھی ہے، اور ترتیب دعوت بھی۔

(۱) آپ کا پہلا اہم مضمون جو ترجمان القرآن میں شائع ہوا ہے وہ ''مسلمان اور امامت کبریٰ'' ہے۔ میری نگاہ میں ترجمان القرآن کے وہ پرچے نہیں گزرے جن میں یہ مضمون شائع ہوا ہے۔ لیکن عنوان بذات خود بتارہا ہے کہ غالباً اسلام میں خلافت اور حکومت کے مقام و اہمیت کو واضح کیا گیا ہوگا۔ آپ کی دوسری کتاب ''دین کا قرآنی تصور'' ہے جس کے بارے میں مولانا کی یہ خواہش سامنے آئی ہے کہ وہ اس کو انگریزی اور دیگر زبانوں میں منتقل کروانا چاہتے تھے اس کتاب میں دین کا حقیقی تصور پیش کیا گیا ہے۔ اس میں غیر مسلموں کو بھی دین اسلام کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ لیکن پیروان قرآن کے غیر قرآنی افکار پر بھی تنقید کی گئی ہے مولانا نے ثابت کیا ہے کہ دین کا حقیقی مقصود رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ اس سے ہٹ کر وصال الٰہی، ترک دنیا، دین کے اجتماعی احکام سے بے التفاتی اور وحدت ادیان کے نظریات دین حق سے صریح انحراف ہے۔ یہ سب کج فکری، انتہا پسندی اور خود پسندی کے شاخسانے ہیں۔

تیسری کتاب ''حقیقت نفاق'' ہے جو پہلے ترجمان القرآن میں بالاقساط شائع ہوئی ہے۔ اس میں سب سے پہلے مرض کی نشاندہی کی گئی جو دعویٰ ایمان رکھنے والوں کے اندر پیدا ہو جاتا ہے اور ان کو جہنم کے سب سے نچلے درجے کا مستحق بنا دیتا ہے۔ یہ ایسا موذی مرض ہے کہ اس کے مریض اپنے عقلمند ہونے کے زعم میں مبتلا ہوتا ہے۔ مولانا محترم نے نفاق کی اقسام، ان کے طبقات، نفاق عملی اور نفاق عقیدہ کو قرآن کی آیات کی روشنی میں واضح کیا۔ چوتھی کتاب ''معرکہ اسلام و جاہلیت'' ہے۔ یہ بھی ترجمان القرآن میں بالاقساط

شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کی ترجمانی اس طرح بھی کی جا سکتی ہے:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز　　　چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

پانچویں کتاب ''اسلام ایک نظر میں'' یہ اسلامی تعلیمات کی جامع کتاب ہے۔ عقائد، عبادات، اسلامی نظام حیات کے اجزاء، (اخلاقی نظام، روحانی نظام، عائلی معاشرتی نظام، معاشی اور سیاسی نظام) کی دلنشین تشریح، پر حکمت اور موثر تشریح ہے۔

چھٹی کتاب ''فریضہ اقامت دین'' ہے دین، اس کی اقامت کی وضاحت پھر اس کے فرض ہونے کے تقاضے واضح کیے گئے۔ اور اس فرض کے ادا کرنے کے دنیا اور آخرت کے نتائج کی وضاحت کی گئی۔ اس فریضہ کو ادا کرنے کا واحد لائحہ عمل تقویٰ، اطاعت اور جماعتی اور اجتماعی جدوجہد ہے۔

ساتویں کتاب ''اساس دین کی تعمیر'' ہے، جس میں واضح کیا گیا ہے اطاعت دین واقامت حق کے فریضے کی دشواریاں انتہائی کٹھن ہیں۔ قرآن کی آیات اور انبیاء کی تاریخ اس پر شاہد ناطق ہیں۔ اس لئے اس کی ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کے لئے جو سیرت و کردار درکار ہے اس کی بنیاد کی تعمیر میں چار عظیم پتھروں کو پیوست کرنا اور جمانا ضروری ہے۔ ۱۔ ایمان باللہ ۲۔ ایمان بالآخرۃ ۳۔ ذکر الٰہی خصوصاً نماز ۴۔ صبر مولانا کی یہ کتاب مسافران راہ وفا و رہبران اقامت دین کے لئے زاد راہ ہیں۔

مولانا کی ساری کتابیں حقائق قرآنی کی تفسیر ہیں۔ ان کتابوں کو غور سے پڑھنے کے بعد قرآن کے اصولی مضامین کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ ان کتابوں کی زبان زوائد اور تکلف سے خالی ہے اور اپنے قاری کے دل و دماغ کو یکسو کرنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہیں۔

مولانا صدرالدین کا ایک اہم کارنامہ یہ کہ انہوں نے تفہیم القرآن کی تلخیص مرتب کی ہے۔ تفہیم القرآن کا اسلوب بذات خود انتہائی سادہ اور جامع ہے اصطلاحاً اس کو سہل ممتنع کہا جا سکتا ہے اس کو مزید آسان بنانا یا اس کی تلخیص ایک مشکل کام ہے۔ مولانا صدرالدین صاحب کو قرآن کی لغت پر جو دسترس اور اس کے فہم کا جو احاطہ حاصل ہے اس کی وجہ سے اس انتہائی دشوار کام سے وہ بخوبی عہدہ برآ ہوتے ہیں۔

مولانا ایک مستقل تفسیر لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ چنانچہ سورہ بقرہ کی تفسیر مرتب کر دی تھی۔ یہ تفسیر ماہنامہ ''زندگی'' رام پور میں شائع ہوتی رہی ہے۔

مولانا محترم نے اپنے پیچھے تین بیٹے اور ۲ بیٹیاں چھوڑی ہیں۔ سب علم دین سے آراستہ ہیں۔ مولانا نے اپنی اولاد کی تربیت کا خصوصی اہتمام کیا تھا، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی اولاد کو ان کے لئے صدقہ جاریہ بنا دے۔ اللہ تعالیٰ مولانا محترم کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا کرے۔

مولانا سے رجوع کرنے میں شرح صدر اور اطمینان ہوتا تھا

میرے خیال سے جماعت کے اندر مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب سے زیادہ واضح فکر رکھنے والا رہنمائی کے مقام پر کوئی دوسرا شخص نہیں تھا۔ ذاتی طور سے مجھے مولانا کی تحریروں سے غیر معمولی فائدہ پہنچا ہے۔ میں نے تحریک تو مولانا مودودی کی تحریروں سے پائی ہے لیکن جماعت میں شمولیت کے لئے مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب کی تحریریں ہی محرک بنیں مولانا کی تصنیفات ''فریضہ اقامت دین'' اور ''اسلام اور اجتماعیت'' ہیں۔ جو جماعت میں شامل ہونے کا سبب بنی ہیں۔ اسلام اور اجتماعیت جب میں نے پڑھی تو اسی وقت گویا میں نے رکنیت کی درخواست دی اور میں سمجھتا ہوں کہ مولانا نے اپنی تحریروں میں جتنی مدلل اور مسکت باتیں لکھی ہیں وہ ایسی ہیں کہ ان کو پڑھنے کے بعد ایک کھلے ذہن کے ساتھ سوچنے والے کے لئے کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔ بہر حال مجھ پر مولانا کا نہ صرف احسان ہے کہ ان کی تحریروں کے ذریعہ میں فکری اور نظری طور سے اس تحریک سے قریب آیا۔ بلکہ عملی طور پر بھی اس میں شامل ہوا اور پھر مختلف مرحلوں میں مولانا سے رہنمائی ملتی رہی اور تقویت بھی حاصل ہوتی رہی۔ میں جب امیر حلقہ (بہار) بنایا گیا تو اس وقت بھی مولانا کے مشوروں اور ان کی رہنمائی سے فیض یاب ہوتا رہا اور جب قیم جماعت کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی گئی تو اس وقت بھی مولانا کی طرف سے حوصلہ افزائی بھی ہوئی اور رہنمائی بھی ملی۔ بعض وقت تو انھوں نے خود راہنمائی کے سلسلے میں پہل کی اور جب بھی ہم نے رجوع کیا اس وقت بھی انھوں نے بلا تکلف رہنمائی فرمائی۔ اس لحاظ سے تو میں محسوس کرتا ہوں کہ ایک ایسی شخصیت جس سے رجوع کرنے میں پورا شرح صدر اور اطمینان ہوتا تھا اب وہ نہیں رہی اور اب بڑا خلا اپنی زندگی میں بھی پاتا ہوں اور تحریک کے لئے بھی پاتا ہوں۔

محمد جعفر

(قیم جماعت اسلامی ہند)

موت العالم موت العالم

ڈاکٹر رفیق احمد
لکچرر انگلش، مسلم کالج فتحپور

اس عالم رنگ و بو میں ہر شام و سحر انگشت حادثات ظہور پذیر ہوتے ہیں اور ماضی کی تاریکی میں ہمیشہ کے لئے گم ہو جاتے ہیں مگر انہیں میں سے کچھ حادثات ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں وقت و حالات کی تیز آندھی قصہ پارینہ نہیں بنا پاتی کیوں کہ وہ اپنی نوعیت اور انفرادیت کے سبب انسانی ذہن میں رچ بس جاتے ہیں اس کی اثر انگیزی کافی دنوں تک اپنا جلوہ دکھاتی رہتی ہے انہیں میں سے وہ حادثہ ہے جو بتاریخ ۱۳ ر نومبر ۱۹۹۸ء کو پیش آیا یعنی مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

مجھے مولانا موصوف سے دو مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے صرف ملاقات کی تمنا لئے ہوئے میں نے اعظم گڑھ کا سفر کیا اور اپنے دو مقامی دوستوں انیس الرحمن و طارق ایوب کے ہمراہ مولانا محترم کے گھر پر حاضری دی خوش قسمتی سے مولانا سے ملاقات ہوگئی ملتے ہی میں گرویدہ ہو گیا گو کہ مجھے وقت کے ممتاز علماء سے ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی ہے مگر جب میں ان کو قرآن و سنت کے پیش کردہ معیار پر پرکھتا تو مایوسی ہوتی مگر جس وقت میں نے مولانا کو اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ قلب و نظر نے بے ساختہ پکار کر کہا کہ ہاں یہ وہی شخص ہے جس کے دیدار کے لئے آنکھیں بے قرار تھیں جس کے ایمان میں حلاوت ہے کردار میں پختگی ہے سادگی کا پیکر ہے۔ علم و عمل کی طاقتوں کا محور ہے جس کے انداز میں معصومیت ہے جس کی پوری زندگی اسلام کے لئے وقف ہے جو لوگوں کو ایک ابدی پیغام دے رہا ہے جو ہر وقت دین خداوندی کو اس سرزمین میں قائم کرنے کے لئے جدوجہد کر رہا ہے یعنی وہ حقیقی مومن ہے شاید علامہ اقبال نے ایسے ہی لوگوں کے لئے کہا تھا

یہی کچھ ہے ساری متاع فقیر　　اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

مولانا نے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آنے کی اجازت دی ہم لوگ کمرہ میں

داخل ہوئے اور پڑی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ سامنے مولانا ایک ٹوٹی ہوئی کرسی پر بیٹھے اور محبت آمیز لہجے میں ہم لوگوں کی خیریت دریافت کی۔ مولانا کی علالت کا سلسلہ طویل تھا پھر بھی انہوں نے کافی وقت دیا میں مولانا سے گفتگو ضرور کر رہا تھا مگر میرے ذہن میں متعدد سوالات ابھر رہے تھے میں اپنے سوالوں کو روک نہ سکا اور پوچھا کہ آپ جماعت اسلامی میں کب شامل ہوئے۔ مولانا محترم مسکراتے ہوئے بولے کہ میں جماعت اسلامی کے قیام سے قبل ہی اس میں شامل تھا۔ جماعت کی تشکیل سے پہلے میری ملاقات علامہ مودودیؒ سے ہوئی تھی اور ان کی دعوت پر میں نے لبیک کہا۔ کچھ دیر بعد میں نے پھر ایک سوال کیا۔ مولانا آپ طالب علمی کے زمانے میں کس شخصیت سے متاثر رہے ہیں موصوف نے فرمایا ''علامہ شبلی نعمانی سے اسی درمیان میں نے پھر پوچھا کہ اس دور جدید میں نئے اذہان کو متاثر کرنے والی اردو تفسیر کون سی ہے مولانا نے فرمایا ''اس دور کی سب سے عظیم تفسیر تفہیم القرآن کو سمجھتا ہوں جو نوجوانوں کے لئے تریاق ہے مگر بہتر یہ ہوگا کہ مختلف تفاسیر سے استفادہ کیا جائے ہر تفسیر اپنے اندر کچھ نہ کچھ انفرادیت رکھتی ہے'' مولانا کا جواب مکمل نہ ہونے پایا تھا کہ میں نے پوچھا مولانا حدیث پر اردو زبان میں کوئی شرح ہے جس کا مطالعہ ہم لوگوں کے لئے مفید ثابت ہو۔ مولانا نے فرمایا ''ترجمان السنۃ'' کا مطالعہ کیجئے اس کا مطالعہ فہم حدیث کی راہ کھولے گا اتنے میں نماز عصر کی اذان ہوئی ہم لوگوں نے مولانا کے ساتھ قریب کی مسجد میں نماز عصر ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر پھر مولانا کے ساتھ ان کے گھر آئے تھوڑی ہی دیر بعد چائے وغیرہ آ گئی ہم لوگ چائے پیتے رہے اور پھر سوالات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ میں نے عرض کیا مولانا علامہ اقبال کے تعلق سے کچھ فرمایئے۔ مولانا مسکراتے ہوئے بولے ''اگر اقبالؒ اور مودودیؒ نہ ہوتے تو ہماری نئی نسل دور جدید کی گمراہ کن تحریکوں کا نوالہ تر بن چکے ہوتے اللہ کا عظیم احسان ہے کہ اس نے ہم کو اقبال جیسا مفکر اور مودودی جیسا مفسر عطا کیا جنہوں نے اسلام کا صحیح فہم اور دین کا صحیح شعور بخشا اور کفر و الحاد کے طوفان کے رخ کو اپنے ہاتھوں سے موڑ دیا'' میں نے پھر ایک سوال کیا کہ مولانا تصوف کی حقیقت کیا ہے۔ موصوف نے کہا علامہ اقبال نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ ''تصوف سر زمین اسلام کا ایک اجنبی پودا ہے''

میرے ایک ساتھی نے ایک سوال کر لیا کہ مولانا کچھ لوگ ائمہ اربعہ کی تقلید کو لازم قرار دیتے ہیں آپ کی کیا رائے ہے مولانا نے فرمایا ''تقلید ہو مگر تحقیق کے ساتھ۔''

چلتے وقت میں نے مولانا سے گذارش کی کہ مولانا کچھ نصیحت فرمایئے۔ مولانا محترم نے فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کی نصیحت کو دانتوں سے پکڑیئے کسی اور کی نصیحت کی ضرورت نہیں وہ نصیحت جو آپ ﷺ نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت امت مسلمہ کو دی تھی کہ اے لوگوں! میں اپنے پیچھے دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ کتاب اللہ اور میری سنت اگر تم ان کو پکڑے رہو گے تو گمراہ نہیں ہوگے۔

میں نے رخصت ہونے کی مولانا سے اجازت لی اور ایک زندگی بخش کیفیت اپنے دلوں میں سمیٹے ہوئے وہاں سے رخصت ہو گیا۔

انسان کی کامیابی اور اس کی فلاح مادی اسباب و وسائل پر منحصر نہیں ہے بلکہ وہ کچھ اور ہے اور وہ ہے رضائے الٰہی کا حصول اور جنت میں داخلہ یا جہنم کے عذاب سے چھٹکارا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''آخر کار ہر شخص کو مرنا ہے۔ تم سب اپنے اپنے پورے اجر قیامت کے روز پانے والے ہو۔ کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں آتش دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے، رہی دنیا تو یہ محض ایک ظاہر فریب چیز ہے۔'' (سورہ آل عمران: ۱۸۵)

☆......☆......☆......☆......☆

ڈیلر برائے: ☆سیم لیس اسٹیل پائپ ☆ہائیڈ رولک ٹیوب
☆بوائلر ٹیوب ☆ای، آر، ڈبلیو، ٹیوب

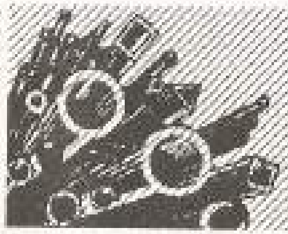

افکار ٹیوب کارپوریشن

بی، پی، ٹی، پلاٹ نمبر 131، دوکان نمبر 6-B، رے روڈ، ممبئی-033 400

Phone : 3720719, 3781720 Res. : 6261375 Fax : 3781720

وہ یقیناً وارث انبیاء تھے

انعام الرحمان رفیقی
ایم اے اسلامک اسٹڈیز
جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ مرحوم صاحب اس وقت ہمارے درمیان نہیں ہیں یہ سوچتے اور لکھتے ہوئے قلم ساتھ نہیں دے رہا ہے مولانا سے ہمارا اور ہمارے گھر کا خاص طور سے ایک گہرا تعلق تھا اور اس بناء پر آج دل سے بار بار ان کے لئے دعائیں نکلتی رہتی ہیں مولانا سے میرا بڑا پرانا تعلق رہا ہے جب میں کافی چھوٹا تھا اور مولانا بغرض علاج لکھنؤ آیا کرتے تھے تو ابو زبردستی ان کو گھر لے آتے تاکہ پورے گھر کو کچھ خدمت کرنے کا شرف حاصل ہو جائے اور اچھے ڈاکٹروں سے مشورہ و علاج ہو سکے آج بھی مجھے وہ حسین لمحے یاد آتے ہیں جب ہم لوگ ان کے لئے کھانا لے کر جایا کرتے تھے چونکہ ڈاکٹروں نے ان کو پرہیز کھانے کو بتایا تھا اس لئے وہ کھانے کو الگ رکھ کر ہم لوگوں کو اپنے پہلو میں بٹھا کر نام پوچھتے گھر کی خیریت معلوم کرتے اور ہم سے ہماری پسند ناپسند بھی معلوم کرتے نماز کے بارے میں تو جب جاتے برابر پوچھتے تھے وہ تو کبھی ہفتہ پھر کبھی پندرہ دن اور کبھی مہینہ مہینہ بھر لکھنؤ میں رہتے چونکہ وہ بالکل گھر کی طرح آرام سے رہتے تھے یہاں اس لئے اطمینان سے رہتے ہم نے ان کو کبھی خالی نہیں دیکھا جب تک جاگتے رہتے مطالعہ کرتے تھک جاتے دوسروں سے پڑھوا کر سنتے تھے مجھے تو وہ دن بھی یاد ہے جب میں مدرسۃ الاصلاح سے لکھنؤ آ رہا تھا میرا دل وہاں لگ نہیں رہا تھا تو سرائے میر سے ابو کے ساتھ پھول پور مولانا کے گھر پر حاضری دی مولاناؒ بہت خوش ہوئے ہم لوگوں کو دیکھ کر ناشتہ وغیرہ کرایا پھر ہم سے ہماری خیریت لینے لگے میں نے ان کو پوری بات بتائی کہ دل نہیں لگتا ہے پہلی دفعہ گھر سے اتنی دور جانا ہوا تھا مولاناؒ نے والد کو خوب سمجھایا کہ بچہ کا دل جب نہیں لگ رہا ہے تو زبردستی نہ کریں وہ جہاں کہے وہاں لے جائیں اس طرح وہ زیادہ کامیاب ہوگا۔ جب تھوڑے اور

بڑے ہوئے تو پتہ چلا کہ مولانا نے ڈھیر ساری کتابیں لکھی ہیں کچھ کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا تو ایک عجیب سی خوشی اور فخر کا احساس ہوا۔ آپ صبر و تحمل کے پیکر تھے صفائی ستھرائی کا مکمل نمونہ تھے نماز کے لئے ہر وقت پہلے سے تیاری شروع کر دیتے اور اپنے ساتھ اپنے متعلقین کو تاکید کرتے یہاں تک کہ ڈانٹ بھی دیتے۔ مولانا جب آخری بار دہلی میں تشریف لائے تو انہوں نے تاکیدی انداز میں کہا تھا کہ مولانا محمد رفیق قاسمی صاحب کے گھر ضرور جاؤں گا حالانکہ وہ کافی نقاہت اور کمزوری محسوس کر رہے تھے مگر پھر بھی امیر جماعت اور نائب امیر جماعت کے ساتھ تشریف لائے وہی پرہیزی کھانا ترئی کی سادی سبزی اور روٹی کا پھلکا ابو نے تیار کرایا تھا بڑے شوق سے خوب تعریفیں کر کے کھایا اس وقت بھی میں ان کی خدمت میں حاضر رہا مجھے کچھ احساس ہوا کہ شاید یہ عظیم شخص جو انبیاء کا وارث ہے ہم کو دوبارہ اپنی خدمت کا موقع نہیں دے سکے گا اس سے کچھ حاصل کر لیں دونوں جہاں کی کامیاب زندگیوں کا راز یا پھر زاد راہ دے دیں میں قلم اور کاغذ لے کر پہونچ گیا مولانا پہلے تو مسکرائے اور منع کیا کہ ہم خود کہاں اس لائق ہیں مگر میرے اصرار پر آپ نے وہ تاریخی نصیحت رقم کی جو قوموں کے عروج و زوال کا سبب بنی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو وہ نصیحت کی تھی اور عمل نہ کرنے کے نتیجے میں وہ قوم ناکام اور نامراد ہوئی مولانا کی تحریر مندرجہ ذیل ہے:

ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم

صدرالدین اصلاحی

آج مولانا کو رخصت ہوئے تقریباً سال بھر ہونے کو ہے لیکن وہ آیت آج بھی ہمارے ذہن و قلوب کے دریچوں کو عبرت کے لئے کھول دیتی ہے اس وقت جب ہماری ڈائری کا وہ تاریخی ورق کھلتا ہے تو بس عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

موت اس کی ہے کرے جس پہ زمانہ افسوس — یوں تو ہوتے ہیں بھی دنیا میں مرنے کیلئے

مولانا نور محمد فلاحیؒ سے متعلق جو معلومات آپ کے پاس ہوں، ادارے کو روانہ فرمائیں۔

تفسیر ''تیسیر القرآن'' - ایک مطالعہ

محمد رضی الاسلام ندوی
ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ
پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ

مولانا صدرالدین اصلاحی (۱۹۱۷-۱۹۹۸ء) کی علمی خدمات کا ایک اہم بلکہ سب سے اہم اور نمایاں پہلو قرآنیات کے میدان میں ان کی تحریری و تصنیفی کاوشیں ہیں انہوں نے قرآن کریم کو اپنے مطالعہ و تحقیق کا محور و مرکز بنایا۔ ان کی تقریباً تمام تصانیف قرآن کے گرد گھومتی ہیں اور ان میں قرآنی آیات سے بکثرت استدلال کیا گیا ہے ان میں ''دین کا قرآنی تصور'' ''اسلام ایک نظر میں'' ''اساس دین کی تعمیر'' ''حقیقت نفاق'' ''فریضہ اقامت دین'' ''اسلام اور اجتماعیت'' اور ''معرکہ اسلام و جاہلیت'' خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا مرحوم نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (۱۹۰۳-۱۹۷۹ء) کی شہرہ آفاق دعوتی تفسیر ''تفہیم القرآن'' (جو چھ ضخیم جلدوں میں پھیلی ہوئی تھی) کی تلخیص کا کام بڑی عرق ریزی سے انجام دیا یہ کارنامہ مولانا کی خدمات میں زریں حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

ایک زمانے میں مولانا صدرالدین اصلاحی کے دل میں ایک مخصوص انداز سے قرآن کی تفسیر لکھنے کا خیال ہوا۔ متداول تفسیروں میں کوئی ایسی تفسیر موجود نہیں تھی جسے غیر مسلم حضرات کو سامنے رکھ کر تیار کیا گیا ہو قرآن میں بکثرت ایسے مقامات ہیں جو ایک مسلمان کے لئے چنداں وضاحت طلب نہیں لیکن غیر مسلم ذہن ان میں وضاحت کا طالب ہوتا ہے اس کے برعکس کتنی ہی باتیں ایسی ہیں جن کی توضیح قرآن کے ماننے والوں کے لئے تو مفید اور ضروری ہیں مگر دوسروں کے لئے غیر ضروری اور بے کار ہیں اس ضرورت کی تکمیل کے لئے مولانا نے ''تیسیر القرآن'' کے نام سے ایک تفسیر لکھنے کا منصوبہ بنایا اس کی وجہ تالیف پر مولانا نے یوں روشنی ڈالی ہے۔

''قرآن مجید کے ترجمے اور اس پر حواشی کا یہ سلسلہ .... دراصل غیر مسلم

حضرات کو سامنے رکھ کر مرتب کیا جارہا ہے اور پیش نظر یہ ہے کہ اسے ہندی میں منتقل کرا کے شائع کیا جائے۔ غیر مسلم حضرات تک اللہ تعالیٰ کے اس آخری پیغام کو پہونچانا جس حد تک کل ضروری تھا اس سے کئی گنا زیادہ آج ضروری ہے پھر یہ بھی ضروری ہے کہ یہ پیغام ان کی اکثریت کی اپنی زبان ہندی میں شائع کیا جائے تا کہ وہ براہ راست اس سے مستفید ہو سکیں یہ اہم کام جب ہمارے سامنے آیا تو پہلے ہم نے اب تک کے شائع شدہ اردو تراجم و حواشی کا اس نظر سے جائزہ لیا کہ ان میں سے اگر کوئی ترجمہ پیش نظر مقصد کو پورا کررہا ہو تو اسے ہندی جامہ پہنا کر شائع کر دیا جائے مگر جب اس میں ہمیں کامیابی نہ ہوئی تو اپنی کم مائیگی کے باوجود یہ خدمت ہمیں خود انجام دینی پڑی۔ ۱

مولانا نے یہ تفسیر اردو میں لکھنی شروع کی منصوبہ یہ تھا کہ بعد میں اسے ہندی میں ترجمہ کر کے شائع کیا جائے گا اس تفسیر کو ماہنامہ زندگی رامپور میں قسط وار شائع کیا گیا تا کہ مولانا کے الفاظ میں ''اہل علم حضرات اصل اشاعت سے پہلے تنقیدی نگاہ سے اس کا مطالعہ فرمالیں اور پھر اپنے مفید مشوروں سے استفادہ کا موقع دیں'' اس کی پہلی قسط زندگی جلد ۴ شمارہ ۴-۵ اگست ستمبر ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی اگلے ہی شمارے (اکتوبر ۵۰ء) میں ''خوشخبری'' کے عنوان سے یہ اشتہار شائع ہوا۔

''قرآن مبارک کا ہندی زبان میں ترجمہ اس وقت جس قدر اہم اور ضروری ہے اسی قدر اہتمام کے ساتھ ہم نے اس کام کو شروع کر دیا ہے زبان نہایت بامحاورہ اور ادبی ہوگی ترجمانی اور تشریح مولانا صدرالدین صاحب اصلاحی کی ہوگی انتظار فرمائیے۔

ناظم مکتبہ جماعت اسلامی ہند رامپور یوپی۔'' ۲

اس تفسیر کی ۲۹ قسطیں ''زندگی'' میں شائع ہوئیں آخری قسط (اگست ستمبر ۵۳ء) کے ساتھ سورہ بقرہ کی تفسیر مکمل ہوئی تو ''تفسیر تیسیر القرآن کے متعلق ایک ضروری اطلاع'' یہ بھی دی گئی:

''بعض وجوہ کی بنا پر ترجمہ و تفسیر کا کام روک دیا گیا ہے لہذا زندگی میں یہ سلسلہ ایک غیر معین مدت کے لئے ملتوی رہے گا۔'' ۳

نہ کارساز نہ کسی کی نوازشوں کا ہماری زندگی میں کوئی دخل۔ پھر ایسا کیوں ہو کہ کھائیں تو ہم صرف اس کا اور گن گائیں اس کو چھوڑ کر یا اس کے ساتھ دوسروں کا۔ انسانی عقل نے زید بکر کے بارے میں بھی کبھی ایسی جہالت اور ایسے بے اصولے پن کا ارتکاب نہیں کیا پھر اس سے یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے حقیقی محسن کے باب میں اس بھاری ظلم اور جہالت کو روا رکھے گی یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور رحمت کا ذکر آتے ہی اس کی اور صرف اسی کی معبودیت کا ذکر اس انداز سے فرمایا گیا گویا فطرت انسانی کی ایک صدائے بے اختیار تھی جو اس موقع پر روکے رک نہیں سکتی تھی۔''۷

سورہ بقرہ کے آغاز میں مفسرین نے حروف مقطعات پر طویل بحثیں کی ہیں لیکن مولانا نے صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کیا ہے:

''یہ حروف دراصل اس سورہ کا ایک نام ہوتے ہیں جس کے آغاز میں آتے ہیں۔''۸

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ﴿۴﴾ کے ذیل میں قرآن سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔۹

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ﴿۷﴾ کے تحت دلوں اور کانوں پر اللہ کے مہر لگانے کا مطلب واضح کیا ہے۔۱۰ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا ﴿۲۴﴾ کی تفسیر میں اعجاز قرآن کے موضوع پر اچھی بحث کی ہے اور آنحضرت ﷺ کو عقلی معجزہ دیے جانے کی حکمت پر روشنی ڈالی ہے۔۱۱

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ ...... ﴿۲۵﴾ کی تفسیر میں جنت اور اس کی نعمتوں کی ماہیت سے متعلق مفصل وضاحت کی ہے۔۱۲

آیت وَمَا اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ...... ﴿۱۳۶﴾ کے ذیل میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر علاقے میں نبی بھیجے ہیں اس لئے ان لوگوں کے بارے میں خاموشی اختیار کرنی چاہئے جنہیں آج مختلف اقوام اپنا اپنا دینی پیشوا مانتی ہیں بشرطیکہ وہ نبی

آخر الزماں سے پہلے گذرے ہوں ...... ظن غالب اس بات کا ضرور ہوتا ہے کہ یہ بزرگ اپنے وقت کے نبی رہے ہوں۔۱۳

آیت كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ ﴿۱۸۰﴾ میں اِنْ تَرَكَ خَيْرًا کا ترجمہ مولانا نے یہ کیا ہے ''اور وہ (اپنے پیچھے) مال چھوڑ رہا ہو'' پھر اس کی تفسیر میں لکھا ہے:

''جس لفظ کا ترجمہ مال کیا گیا ہے وہ ''خیر'' کا لفظ ہے جو اصلاً بھلائی کے معنی رکھتا ہے مال کے لئے خیر کے لفظ کا استعمال درحقیقت اس نظریہ کی طرف اشارہ ہے جو اسلام دنیوی سروسامان، دنیوی تعلقات اور دنیوی لذات کے بارے میں رکھتا ہے وہ ترک دنیا اور ترک لذات کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ اس کو تو وہ جاہلیت اور گناہ قرار دیتا ہے وہ حکومت، اقتدار، اولاد، آرام اور لذت کی اشیاء کو اللہ کی نعمت بتاتا ہے ان کو اجتناب اور نفرت کے قابل نہیں بتاتا۔ ان چیزوں کے بارے میں اس کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ انسان ان کی فکر اور محبت میں کھو نہ جائے اور وہ اس کو خدا سے غافل اور اس کی رضا جوئی سے بے نیاز نہ کر دیں اور نہ وہ ان کو اللہ کی ہدایت کے خلاف استعمال کرے۔''۱۴

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴿۲۵۵﴾ کی تفسیر میں مولانا نے مشرکین کے ان خیالات کا ابطال کیا ہے جو وہ فرشتوں، جنوں، بزرگ انسانوں وغیرہ کے متعلق رکھتے تھے کہ یہ خدا کے درباری ہیں اللہ ان ہی لوگوں کو بخشے گا جنہیں یہ بخشوانا چاہیں گے ساتھ ہی قرآن کے تصور شفاعت کی وضاحت کی ہے اور دونوں قسم کی شفاعتوں میں فرق واضح کیا ہے۔۱۵

ترجمہ اور تفسیر میں نادر نکتے

مولانا صدر الدین اصلاحی کے ترجمہ اور تفسیر میں بعض مقامات ندرت رکھتے ہیں انہوں نے اپنے خیالات کے مضبوط دلائل دیے ہیں ان خیالات سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے لیکن ان دلائل کی آسانی سے کاٹ نہیں کی جا سکتی تفسیر کے آغاز سے قبل مولانا نے اپنے

مختصر نوٹ میں لکھا ہے:

"ترجمہ اور حواشی میں آپ کو جابجا کچھ ایسے خیالات ملیں گے جن کا متداول تفسیروں میں بمشکل کھوج لگایا جاسکتا ہے ان کے متعلق گذارش ہے کہ وہ محض جدت آفرینی کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ ان کی پشت پر مضبوط دلائل موجود ہیں لیکن ان کی تفصیل کے لئے نہ تو ان حواشی کی تنگ دامنی کافی ہی ہو سکتی ہے نہ ہی یہاں ایسا کرنا مناسب ہوگا۔" ۱۶

یہاں ترجمہ اور تفسیر کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

آیت اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ﴿۲۶۸﴾ کا ترجمہ مولانا نے یہ کیا ہے:

"شیطان تمہیں (راہ خدا میں خرچ کرتے وقت تو) مفلسی سے ڈراتا ہے لیکن برے کاموں (میں دولت اڑانے) کی تلقین کرتا ہے"۔

آیت وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ ﴿۱۴۳﴾ کا ترجمہ انہوں نے یہ کیا ہے:

"اور (اب تک) تم جس قبلے کی طرف (رخ کرتے) رہے ہو اس کو تو ہم نے صرف اس لئے قبلہ بنایا تھا تاکہ (آئندہ اس کو آزمائش کا ذریعہ بنائیں اور) ہمیں معلوم ہو جائے کہ کون (صحیح معنوں میں) رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹا پھر جاتا ہے۔"

اس پر ایک صاحب نے مولانا سے سوال کیا کہ "لِنَعْلَمَ کا صحیح ترجمہ تو وہی ہوگا جو آپ نے کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا کہ "ہمیں معلوم ہو جائے" سمجھ میں نہیں آتا کس بنیاد پر ہے؟ کیوں کہ اس کا علم تو ازلی ہے اور ہر شی کو محیط ہے" اس کے جواب میں مولانا نے تفصیل سے قرآن کے اس اسلوب کی وضاحت کی اور فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بات کھل کر سامنے آجائے ورنہ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے جاننے کا تعلق ہے کوئی بات بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔ ۱۷

آیت فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴿۱۴۴﴾ کا ترجمہ مولانا نے یہ کیا ہے "پس اب سے اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر دو" حاشیہ میں لکھا ہے "مسجد حرام کے

لفظی معنی ہیں حرمت اور عزت والی مسجد" مراد ہے اس عبادت گاہ سے جسکے وسط میں کعبہ واقع ہے" اس پر ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ "حرام" کا یہ ترجمہ ان ساری چیزوں کے ضمن میں کس طرح صحیح ہوگا جنہیں شریعت میں حرام کہا گیا ہے" اس کی وضاحت مولانا نے یوں فرمائی:

"حرام کے اصل معنی ممنوع کے ہیں وجوہ ممانعت مختلف ہیں مسجد حرام کو بھی اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام اسی لئے فرمایا ہے کہ اس کے اندر وہ بہت سے افعال ممنوع ہیں جو بیرون مسجد جائز ہیں مثلاً کسی شخص کو پکڑنا، اس پر ہاتھ اٹھانا، کسی جانور یا پرندے کا شکار کرنا، کسی درخت کا کاٹنا وغیرہ اس لئے اگرچہ مسجد حرام کا اصل لغوی ترجمہ صرف یہی ہوگا کہ وہ مسجد جس میں کچھ افعال سے روکا گیا ہے مگر اس کا مرادی ترجمہ "عزت وحرمت والی مسجد" سے بھی کیا جاسکتا ہے۔" ۱۸

البتہ کہیں کہیں آیت کے کسی ٹکڑے کا ترجمہ چھوٹ گیا ہے مثلاً سورہ بقرۃ کی آیت وَلَنْ یَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۹۵﴾ کا ترجمہ مولانا نے یہ کیا ہے: (یقین جانو) یہ کبھی ایسی آرزو کرنے والے نہیں اللہ ان ظالموں سے بخوبی واقف ہے" ۱۹ اس میں بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ کا ترجمہ موجود نہیں ہے۔

تفسیر کے ضمن میں مولانا نے بعض مقامات پر جمہور مفسرین سے اختلاف کیا ہے اور اپنے نقطہ نظر کے مضبوط دلائل دیے ہیں اس طرح کی دو مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

آیت وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ﴿۱۰۱﴾ کا ترجمہ مولانا نے یہ کیا ہے:

"چنانچہ جب ان کے پاس اللہ کی جانب سے ایک پیغامبر ان پیشین گوئیوں کے عین مطابق آیا جو ان کی اپنی کتابوں میں موجود تھیں............"

جب کہ بیشتر مترجمین قرآن اس آیت میں " مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ " کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "اس کتاب کی تائید و تصدیق کرنے والا جو ان کے پاس موجود ہے"۔

مولانا کے ترجمہ پر ایک صاحب نے اعتراض کیا اور اس کی تغلیط کی مولانا نے

تفصیل سے اس کا جواب دیا انہوں نے لکھا:

"قرآن مجید میں تصدیق کا مصدر اور اس سے بنے ہوئے مصدق وغیرہ الفاظ ایک دو جگہ نہیں تقریباً تیس بتیس مقامات پر آئے ہیں ان تمام مقامات کا استقصاء کرنے سے صاف نظر آتا ہے کہ لغوی طور پر یہ مصدر دو طرح استعمال ہوتا ہے ایک تو متعدی ہو کر مثلاً قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا (الصافات۔ ۱۰۵) اور دوسرے لازم ہو کر صلہ 'ب' کے ساتھ مثلاً وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا (التحریم۔۱۲) ...... ان جملوں پر اور ان کے مواقع استعمال پر اور یہ مواقع استعمال جو کچھ چاہتے ہیں ان سب پر اگر آپ نظر ڈالیں تو آپ پر جو حقیقت منکشف ہوگی وہ صرف یہ ہوگی کہ:

(الف) جب تصدیق کا لفظ یا اس سے بنا ہوا کوئی اور لفظ لازم ہو کر اور صلہ (ب) کے ساتھ بولا جاتا ہے تو اس کے معنی تصدیق کرنے اور سچا ماننے کے ہوتے ہیں

(ب) اور جب متعدی ہو کر استعمال ہوتا ہے تو اس وقت اس کے معنی کسی بات کا مصداق بننے اس کو سچا کر دکھانے اور اس کے مطابق ثابت ہونے کے ہوتے ہیں۔"[۲۰]

مولانا نے ایک جاہلی شعر سے بھی استشہاد کیا ہے اور قرآنی نظائر بھی پیش کئے ہیں۔[۲۱]

اس جواب سے سائل کو اطمینان نہیں ہوا تو انہوں نے "مزید وضاحت" کے عنوان سے پھر اپنے خیالات پر روشنی ڈالی اور دلائل پیش کئے[۲۲] مولانا کی یہ بحث بہت قابل قدر اور تحقیقی ہے۔

سورہ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۰۲ یہ ہے:

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ ۖ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ

ہاروت ماروت نامی فرشتے بنی اسرائیل کو کیا سکھاتے تھے؟ بیشتر مفسرین نے اس سے مراد سحر لیا ہے مگر مولانا کے نزدیک اس سے مراد دعا و تعویذ کا علم ہے فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک ایسا علم سکھانے کا اہتمام فرمایا جو ان کے اس رجحان طبع کی تسکین کا کام دے سکے اور ساتھ ہی اس کفر و شرک سے بھی پاک ہو جو سحر میں پایا جاتا ہے گویا ان کی ایک خاص خواہش اور رجحان طبع کا لحاظ فرماتے ہوئے جس سے وہ دست کش ہوتے نظر آتے تھے ایک فعل حرام کا ایک جائزہ بدل مہیا کر دیا گیا یہ علم دعا و تعویذ کا علم تھا جس میں بجائے شیطان کے صرف اللہ تعالیٰ سے مدد اور پناہ مانگی جاتی ہے مگر اس بد قسمت قوم کے حق میں یہ دعائی علاج بھی کچھ مفید ثابت نہ ہوا سحر میں تو یہ لوگ بدستور مشغول رہے اور اس فن کو بھی سیکھ کر عموماً حرام مقاصد ہی میں استعمال کرتے رہے حالانکہ اس سلسلہ میں انہیں پہلے ہی خبردار کر دیا جاتا تھا۔[۲۳]

دیگر مفسرین کے نقطہ نظر کو غلط قرار دیتے ہوئے مولانا نے لکھا ہے:

"ہمارے اکثر مفسرین قرآن نے اس علم کو بھی جو ان دونوں فرشتوں کے ذریعہ بنی اسرائیل کو سکھایا گیا تھا جادو ہی کا علم قرار دیا ہے مگر یہ بات متعدد وجوہ سے صحیح نہیں ہے ایک تو یہ واو عطف کے ذریعے دو الگ الگ چیزیں بیان کی گئی ہیں دوسرے یہ کہ جادوگری کی وبا تو یوں ہی پھیلی ہوئی تھی پھر اس جدید اہتمام کی کیا حاجت تھی۔ تیسرے فرشتوں کو ایک کار حرام کے لئے بھیجا جانا کچھ غیر مناسب سی بات ہے۔ چوتھے فتنہ کا اصل مفہوم جس کی توضیح ہم اوپر کر چکے ہیں کسی طرح جادو اور شعبدہ کو قبول نہیں کرتا۔[۲۴]

اس تاویل پر ایک صاحب نے اپنی بے اطمینانی کا اظہار کیا تو مولانا نے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کی اور اس کے حق میں دلائل دئے۔[۲۵]

نظم قرآن کی رعایت

عصر حاضر میں مولانا حمید الدین فراہی (۱۸۶۳۔۱۹۳۰ء) تصور نظم قرآن کے نقیب رہے ہیں انہوں نے اس تصور کو بہت ابھار کر پیش کیا ہے ان کے نزدیک قرآن کی تمام سورتیں باہم مربوط ہیں اسی طرح ہر سورۃ کی تمام آیتیں آپس میں گہرا ربط رکھتی ہیں مولانا صدر الدین نے اپنی تفسیر میں نظم قرآن کی رعایت کی ہے اور جابجا اس کی صراحت کرتے

حج ہی سے ہے"۔۳۱

آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً ﴿۲۰۸﴾ کے تحت مولانا فرماتے ہیں "اس موقع پر نظمِ کلام کی اس لطافت کو بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگرچہ کامل حوالگی اور اطاعت کی ہدایات کا تعلق اوپر کے پورے سلسلۂ احکام سے ہے مگر آخری حکم یعنی حج سے اس کو ایک ایسی مخصوص مناسبت بھی حاصل ہے جو دوسرے احکام کو حاصل نہیں۔ کیونکہ حج کی روح، اس کا مقصد اور اس کا نتیجہ بھی براہ راست خالص 'سلم' ہی ہے۔ یوں 'سلم' کے حکم کیلئے ذکرِ حج کے بعد کا موقع موزوں ترین موقع تھا"۔۳۲

آیت اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَھُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ﴿۲۴۳﴾ کے تحت مولانا نے تفصیل سے نظم کلام کی وضاحت کی ہے فرماتے ہیں:

"پچھلی آیت پر شرائع کا باب ختم ہو کر اس آیت سے باب حکمت شروع ہو رہا ہے جو آخر کی دو آیتیں چھوڑ کر سورہ کے ختم تک چلا گیا ہے باب حکمت سے مراد سورہ کے وہ مباحث اور اس کی وہ آیات ہیں جن کے اندر احکام دین کی غایت اور روح سے پردہ ہٹایا گیا ہے......... اوپر باب الشرائع کے اندر جو احکام مذکور ہیں ان میں سے یہاں بیان حکمت کے لئے صرف تین چیزوں کو لیا گیا ہے یہ ہیں اطاعت، جہاد اور انفاق......... اگرچہ اس آیت سے ایک مستقل باب شروع ہو رہا ہے اور اس لئے اس کا تعلق پچھلی آیات سے نہیں بلکہ اس پورے باب کا تعلق پچھلے پورے باب سے ہے مگر اس کے باوجود نماز کے حکم عام میں حالت جنگ کی نماز خاص کا تذکرہ آ جانے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب جو اس شروع ہونے والے باب میں بحث کا آغاز قتل سے ہو رہا ہے وہ کوئی نئی بحث نہیں ہے بلکہ اس کی تمہید تو دونوں تنبیہی آیتوں سے قبل والی آیت میں جو پچھلے باب کے خاتمہ کی آیت ہے، موجود ہے اس طرح باب کا ربط باب سے ہونے کے ساتھ ساتھ آیت کا آیت سے بھی اک گونہ تعلق ہو گیا ہے"۳۳

آیت وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ وَمَا

لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾ کی تفسیر میں مولانا نے لکھا ہے:

"آیت کا نظم بتاتا ہے کہ راہ خدا میں خرچ نہ کرنا "ظلم" ہے ایسا ظلم جو انسان کو خدا کی مدد سے محروم کر دیتا ہے پھر اس اصول کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ جو شخص یا گروہ رضائے الٰہی کے آستانوں پر اپنی دولت قربان کرتا رہتا ہے وہ نیکوکار اور حق شناس ہے اور اللہ تعالیٰ کی نصرتیں اس کے شامل حال رہتی ہیں"۳۴

تیسیر القرآن میں اس طرح کی مثالیں کثرت سے ہیں کہ مولانا نے نظم قرآن کی رعایت سے آیات کی تفسیر کی ہے اور اس میں نکتے پیدا کئے ہیں سورۃ بقرۃ کی تفسیر کے خاتمے پر مولانا فرماتے ہیں:

"یہاں سورہ ختم ہوتی ہے اب آخر میں اس کے سراپا کا پھر سے جائزہ لے لیجئے اور اس کے مضامین اور فقرات کا از سر نو ایک اجمالی تجزیہ کر کے دیکھ لیجئے تا کہ بیک نگاہ اس طویل سورہ کا نظم مجملاً سامنے آ جائے۔۳۵

پھر دو صفحات میں پوری سورہ کا خلاصہ بیان کیا ہے۔

مفردات کی تحقیق

مولانا مرحوم نے تفسیر کے دوران مفردات قرآنی کی تحقیق کی جانب بھی توجہ دی ہے انہوں نے صرف لغوی تحقیق ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ قرآن میں ان کے استعمال کی معنویت پر بھی روشنی ڈالی ہے اس طرح قاری کو جہاں ایک طرف لفظ کی اصل تک پہونچنے میں مدد ملتی ہے وہیں وہ قرآنی بلاغت سے بھی واقف ہو جاتا ہے اس سلسلے کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

سورۃ فاتحہ میں "رب العالمین" کا ترجمہ مولانا نے یہ کیا ہے "جو ساری کائنات کا رب ہے" تفسیر میں لکھتے ہیں:

"جس لفظ کا ترجمہ کائنات کیا گیا ہے وہ عالمین کا لفظ ہے جو عالم کی جمع ہے عالم علم سے نکلا ہے جس کے معنی جاننے کے ہیں اس طرح عالم اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی چیز کے

جاننے کا ذریعہ بنے چونکہ اس کائنات کا ہر جزو ایک ایسی ذات کے وجود پر دلالت کرتا ہے جو اس کی پیدا کرنے والی نگرانی اور سرپرستی کرنے والی اور اس کا نظام درست رکھنے والی ہے اس لئے اس کو عالم کہتے ہیں"۔ ۳۶

ایک جگہ لفظ "جبرئیل" کی تشریح یہ کیا ہے:

"جبرئیل" ایک عبرانی لفظ ہے جس کے لفظی معنی ہیں "اللہ کا بندہ" اصطلاحاً یہ بارگاہ الٰہی کے اس مقرب ترین فرشتے کا نام ہے جو عام ملائکہ میں نہیں بلکہ ان خاص ملائکہ میں سے ہے جنہیں قرآن میں روح کہا گیا ہے اس فرشتے کی خاص ڈیوٹی خدا کے پیغمبروں تک اس کا کلام پہونچانے کی رہی ہے"۔ ۳۷

آیت فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ............﴿۲۵۶﴾ کے تحت لفظ "طاغوت" کی تحقیق کرتے ہوئے مولانا نے لکھا ہے:

"طاغوت کا لفظ طغیان سے نکلا ہے جس کے معنی حد سے آگے بڑھ جانے اور سرکشی کرنے کے ہیں اس لئے ہر اس چیز کو طاغوت کہیں گے جس میں خدا سے سرکشی اور اس کی قائم کی ہوئی حدود سے تجاوز پایا جاتا ہو اور جو انسان کو اسی سرکشی کی طرف بلاتی ہو خواہ وہ انسان کا اپنا نفس ہو خواہ اس کی اپنی برادری ہو، خاندان ہو، قوم ہو، کوئی ادارہ ہو، کوئی حکومت ہو، کوئی لیڈر ہو، کوئی نام کا انقلابی اور "مصلح" قوم ہو یا پھر سارے سرکشوں کا امام ابلیس ہو، ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر طاغوت ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اگلی آیات میں "طاغوت" کو بجائے واحد کے جمع کی حیثیت سے لایا گیا ہے"۔ ۳۸

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَا اَذًى ﴿۲۶۳﴾ میں لفظ "صَدَقَة" کی تشریح میں مولانا فرماتے ہیں:

"صدقہ کا لفظ صدق سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی ہی سچائی اور اخلاص۔ اس لئے انفاق فی سبیل اللہ کو صدقہ کا نام دینے کی وجہ دراصل یہ ہوئی کہ یہ وہ انفاق ہوتا ہے جو خالص خدا پرستی کے جذبہ کے تحت اور خدا ہی کی رضا کے لئے کیا جاتا ہے اور کرنے والے کے ایمان کی سچائی اور اس کے اخلاص کا ثبوت ہوتا ہے"۔ ۳۹

اسالیب قرآنی کی توضیح

مولانا نے اپنی تفسیر میں جابجا بڑے خوبصورت انداز میں اسالیب قرآنی کی وضاحت کی ہے ایک جگہ انہوں نے مجموعی طور پر قرآن کے انداز بیان پر یوں روشنی ڈالی ہے:

"یہ بات اصولاً یاد رکھنی چاہئے کہ قرآن کا انداز بیان تصنیف کا نہیں ہے بلکہ خطابت کا ہے اللہ تعالیٰ کی حیثیت ایک خطیب کی سی ہے بنی آدم کی حیثیت سامعین کی سی اور ہر ایک سورہ کی حیثیت ایک مستقل خطبہ کی سی۔ پس جس طرح کسی خطیب کے انداز بیان اور لب ولہجہ میں زیر و بم، نرمی و سختی، ترغیب و ترہیب، تاسف و توبیخ ساری ہی چیزیں حسب مواقع یکے بعد دیگرے آتی ہیں کیوں کہ اس کے بغیر نہ تو خطبہ کا زور ہی قائم رہ سکتا ہے نہ ہی سامعین کے ذہنوں میں بات کو کما حقہ اتارا جا سکتا ہے بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے انداز خطاب میں تغیر اور رنگارنگی پیدا کرتا رہتا ہے اس اصولی بات پر اگر نظر نہ ہو تو کلام الٰہی کے کتنے ہی محاسن حجاب ہی میں رہ جائیں گے"۔ ۴۰

سورۃ بقرۃ کی آیت ہے وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ﴿۹۳﴾

ان آیات میں پہلے اہل کتاب کو خطاب کر کے ایک بات کہی گئی ہے مگر فوراً غائب کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے تبدیلی خطاب کے اس اسلوب کی معنویت پر مولانا نے یوں روشنی ڈالی ہے:

"بظاہر "انہوں نے" کی جگہ یہاں "تم نے" کے الفاظ ہونے چاہئیں تھے کیوں کہ اوپر سے تذکرہ بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے کیا جا رہا تھا نہ کہ غائب کر کے مگر اسی جگہ بلاغت کے ایک خاص اور اہم نکتے کا تقاضا ہوا کہ جن لوگوں کو ابھی مخاطب کر کے گفتگو جاری تھی انہیں یکا یک غائب قرار دیا جائے اس انداز کلام کے اختیار کرنے سے دراصل اس حقیقت کا اظہار مقصود ہے کہ جن لوگوں کی باطل پرستیوں اور سرگرانیوں کا یہ عالم ہو وہ اس قابل نہیں کہ انہیں مخاطب کیا جائے ان سے رو در رو گفتگو کی جائے یہ سخت قابل نفرت

لوگ ہیں جب دوران کلام میں مخاطب کے خلاف اللہ تعالیٰ اپنی انتہائی نفرت کا اظہار کرنا چاہتا ہے تو ایسے موقع پر خطاب کا رخ بدل دیتا ہے قرآن میں یہ انداز بیان عام ہے''۔[۴۱]

آیت اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ﴿۲۶۸﴾ کی تفسیر میں مولانا نے لکھا ہے:

''یہاں برائیوں کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے اور یہ اسلوب بیان قرآن میں عام ہے حالانکہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ ہی کی مشیت کے تحت ہوتا ہے شیطان کو یا کسی بھی مخلوق کو اس بارے میں کوئی طاقت حاصل نہیں کہ وہ کسی کو برائی کا حکم دے کر اس سے برائی کرادے مگر چونکہ برائیاں شیطان کی مرضی کے مطابق اور خدا کی مرضی کے خلاف ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس دارالامتحان کے اصول وضوابط کچھ اس طرح کے بنائے ہیں کہ لوگوں کے لئے جہاں بہت سے دواعی خیر مہیا کر رکھے ہیں وہیں شر کے دواعی بھی پھیلا رکھے ہیں جن میں سب سے بڑا داعی بلکہ یوں کہیے کہ سارے دواعی شر کا سربراہ کار ابلیس ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت خاص سے یہ طاقت دے رکھی ہے کہ وہ اپنی ترغیبات کے ذریعے انسانوں کو راہ راست سے ہٹاتا رہے اس لئے جب کوئی آدمی کسی برائی کا مرتکب ہوتا ہے تو یوں فرمایا جاتا ہے کہ شیطان نے اس کو برائی کا حکم دیا یا اس سے یہ برائی کرادی''۔[۴۲]

سورۃ بقرۃ کی آیت نمبر ۲۷۴ میں کھلے اور چھپے انفاق کرنے والوں کا تذکرہ کر کے ان کا اجر بیان کیا گیا ہے اس کے بعد آیت نمبر ۲۷۵ میں سود خوروں کا انجام مذکور ہے قرآن کے اس اسلوب تقابل وتضاد کی وضاحت مولانا نے یوں کی ہے:

''قرآن کے جس اسلوب تقابل سے آپ روزہ کی بحث میں جو اوپر گذر چکی ہے واقف ہو چکے ہیں وہی اسلوب بیان یہاں بھی اختیار کیا گیا ہے وہاں جس طرح روزوں کی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے حرام خوری کی صفت کو اس کی ضد اور مقابل کی حیثیت سے بیان کیا گیا تھا ٹھیک اسی طرح اس جگہ انفاق فی سبیل اللہ اور سود خوری کو بالمقابل بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کی عین ضد ہے لہذا زر پرستی کے روگ سے دل کو پاک رکھنے اور اللہ کی رضا پر اپنی محبوب دولت کو بلا پس وپیش قربان کر دینے کی جو انتہائی مسلسل اور

زوردار تلقین ہو رہی تھی وہ مکمل نہ ہوتی اگر اس کے منفی پہلو کو بھی زیر بحث نہ لایا جاتا اور اس سے پوری طرح کنارہ کش رہنے کی ہدایت نہ کر دی جاتی یوں سود کی بحث کوئی علیحدہ اور غیر متعلق بحث نہیں رہی بلکہ انفاق کی ہی بحث کا تتمہ ہے''۔[۴۳]

مولانا فراہیؒ سے استفادہ

اپنی اس تفسیر میں مولانا نے علامہ حمید الدین فراہیؒ کے افکار وخیالات سے جا بجا استفادہ کیا ہے اثنائے تفسیر میں تو مولانا نے ان کا حوالہ نہیں دیا ہے لیکن تفسیر کے شروع میں جو نوٹ تحریر کیا تھا اس میں انہوں نے صاف لفظوں میں مولانا فراہی سے اپنی غیر معمولی عقیدت کا اظہار کیا ہے اور ان کی تحقیقات قرآنیہ سے فیض اٹھانے کا تذکرہ کیا ہے[۴۴] لکھتے ہیں:

''یہ خیالات نیز نظم قرآن کے وہ نکات جو آئندہ صفحات میں آپ کو نظر آئیں گے وہ بڑی حد تک دور آخر کے مجدد العلوم استاذ الاساتذہ مولانا حمید الدین فراہیؒ کے افکار و تحقیقات قرآنیہ کا بالواسطہ فیض ہیں جنہوں نے ہمیں قرآن فہمی سے روشناس کرایا اور جن کی بدولت آج اس خدمت قرآن کا موقع نصیب ہو رہا ہے''۔[۴۵]

نظم قرآن کی بحث پیچھے گذر چکی ہے تفسیر میں بھی مولانا کے بعض خیالات واضح طور پر افکار فراہی کا پرتو نظر آتے ہیں مثلاً مولانا فراہی ہر سورہ کا ایک عمود (مرکزی عنوان) قرار دیتے ہیں جس کے گرد سورہ کے تمام مضامین گردش کرتے ہیں سورہ بقرہ کا عمود انہوں نے ''حضرت محمد ﷺ کے بعثت پر ایمان'' قرار دیا ہے مولانا صدر الدین اصلاحی بھی لکھتے ہیں: ''اس سورہ کا مرکزی عنوان رسالت محمدیؐ کا اثبات ہے''۔[۴۶]

مولانا مرحوم ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اگرچہ یہود کا قبلہ بیت المقدس تھا مگر ان کی شریعت میں جو قربانی سب سے بڑی اور اہم قربانی تھی وہ بجائے شمال کی جانب رخ کرنے کے جنوب کی طرف رخ کر کے ادا کی جاتی تھی جب کہ بیت المقدس مدینے سے شمال میں اور مکہ مدینے سے جنوب میں پڑتا ہے یہودیوں نے خود اپنی شریعت کے اس لطیف اشارہ کو نہ سمجھا کہ ایسا حکم انہیں کس لئے دیا

گیا تھا''۔۴۸؎

آیت اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ ﴿۱۵۸﴾ کے تحت لفظ 'مروہ' پر انہوں نے یہ حاشیہ لگایا ہے: ''اس لئے کہ یہ وہ مقامات ہے جہاں پر حضرت ابراہیم نے خدا کا اشارہ پا کر اپنے چہیتے بیٹے کے حلق پر چھری رکھی تھی''۔۴۹؎

آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ ﴿۱۵۹﴾ کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''حضرت ابراہیم نے اپنے محبوب بیٹے کو جس مقام پر ذبح کرنا چاہا تھا اس کا نام آج بھی توریت میں ''مریا'' لکھا ہوا ہے (پیدائش باب ۲۲) جو صاف مروہ کی ذرا بگڑی یا بگاڑی ہوئی شکل ہے، بہرحال اس آیت میں اسی حق پوشی کا ذکر ہے''۔۵۰؎

یہ سارے موضوعات وہ ہیں جن پر مولانا فراہیؒ نے اپنی شاہکار تصنیف ''ذبیح کون ہے؟'' میں مدلل بحث کی ہے مولانا مرحوم کے یہ سارے خیالات اسی رسالے سے مستفاد معلوم ہوتے ہیں۔

تفہیم القرآن سے خوشہ چینی کے حدود

اس تفسیر کی تیاری میں مولانا نے تفہیم القرآن سے خصوصیت سے استفادہ کا تذکرہ کیا ہے تفسیر کی ابتداء میں اپنے نوٹ میں انہوں نے لکھا ہے:

''تفسیری حواشی کی تیاری میں قدیم وجدید تفاسیر سے حسب امکان پوری طرح استفادہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے تفہیم القرآن خصوصیت سے سامنے رہی ہے کیوں کہ پیش نظر مقصد کے لئے وہ بعض حیثیتوں سے سب سے زیادہ مفید اور معین تھی چنانچہ کتنے ہی مقامات پر اس کے اکثر جملے بلکہ پورے پورے حواشی جوں کے توں نقل کر دئے گئے ہیں اس لئے کہ اصلاً اس تفسیر کو ہندی میں شائع ہونا ہے اس وجہ سے ان حواشی کے نقل کر لینے میں جب کہ مطلب حسب ضرورت نہایت بہتر طریقے سے ادا ہو رہا تھا کوئی قباحت نظر نہیں آئی تھی جب کہ ہندی سے پہلے اردو ہی میں اسے شائع کرنے کا مسئلہ سامنے آگیا۔ یہ بات

کچھ مناسب نہیں معلوم ہوئی کہ ان حواشی کو بدل دیا جائے''۔۵۱؎

اس اقتباس سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ تیسیر القرآن کے بڑے حصے میں تفہیم القرآن سے خوشہ چینی کی گئی ہے اور ایک حیثیت سے اس میں تفہیم القرآن کی تلخیص کر دی گئی ہے لیکن یہ بات پورے طور پر صحیح نہیں۔ اولاً اس میں من وعن یا جزوی ترمیم کے ساتھ تفہیم القرآن کے اقتباسات کی تعداد زیادہ نہیں ثانیاً متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں مولانا اصلاحی نے مولانا مودودی کے خیالات سے اختلاف کیا ہے اور ان سے مختلف تحقیق پیش کی ہے چند مثالیں درج ذیل ہیں:

آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ .... اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ﴿۱۸۳﴾ کو مولانا مودودی فرضیت رمضان سے متعلق مانتے ہیں جب کہ مولانا صدرالدین اصلاحی کا خیال ہے کہ:

''ان دنوں سے مراد رمضان کے روزے نہیں بلکہ ایام عاشورہ کے روزے ہیں جو شریعت موسوی میں فرض تھے ابتدا میں اسلام میں بھی ان ہی دنوں کے روزے فرض تھے بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اور رمضان کے روزوں کا حکم آ گیا جیسا کہ قبلہ کے معاملہ میں ہوا''۔۵۲؎

آیت وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹۳﴾ کے ذیل میں مولانا مودودی نے فَاِنِ انْتَهَوْا (پھر وہ لوگ باز آجائیں) کی تفسیر میں لکھا ہے:

''باز آجانے سے مراد کافروں کا اپنے کفر وشرک سے باز آجانا نہیں بلکہ فتنہ سے باز آجانا ہے''۵۳؎ جب کہ مولانا صدرالدین کی تحقیق یہ ہے کہ ''باز آجانے سے مراد کفر وشرک سے باز آجانا ہے''۵۴؎ اپنی اس تحقیق کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے:

''دوسرے منکرین قرآن میں سے تو ہر ایک کو اختیار ہے کہ اپنا جو عقیدہ رکھتا ہے رکھے اور جس کی چاہے پوجا کرے یا نہ کرے اس گمراہی سے نکالنے کے لئے صرف اسے نصیحت اور فہمائش کی جا سکتی ہے لڑائی نہیں۔ لیکن مشرکین عرب کے لئے دو ہی راہیں تھیں یا تو

ایمان لائیں یا پھر جنگ قبول کریں اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین عرب وہ لوگ تھے جن پر توضیح حق براہ راست نبی کے ذریعے ہوا جس میں کسی نقص کا کوئی امکان نہیں تھا اسی لئے ان کا ایمان لانے پر آمادہ نہ ہونا معنی یہ رکھتا ہے کہ ان کے اندر سے بصیرت اور قبول حق کی آخری رمق بھی ناپید ہو چکی ہے اور ان پر آخری حد تک اتمام حجت ہو چکا ہے اب ان کا حال اس سڑے ہوئے عضو کا سا ہے جس کے شفایاب ہونے کا کوئی امکان نہیں بلکہ الٹا اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ دوسرے تندرست اعضاء کو بھی اپنے زہر سے متاثر کر دے گا ایسی حالت میں جسم انسانی کی بچی ہی خواہی یہی ہے کہ اس سڑے ہوئے عضو کو کاٹ کر پھینک دیا جائے......... دوسرے منکرین قرآن کا حال یہ نہیں اس لئے ان کا حکم بھی مشرکین عرب سے مختلف ہونا چاہیے تھا''۔[۵۶]

آیت وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا......... ﴿۲۰۵﴾ کا ترجمہ مولانا مودودی نے یہ کیا ہے:

جب اسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے'' تفسیر میں انہوں نے لکھا ہے 'اِذَا تَوَلّٰی کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک وہ جو ہم نے متن میں اختیار کیا ہے اور دوسرا مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ یہ مزے مزے کی دل لبھانے والی باتیں بنا کر'' جب وہ پلٹتا ہے'' تو عملاً یہ کرتوت دکھاتا ہے''۔[۵۷]

جب کہ مولانا صدر الدین اصلاحی نے صرف موخر الذکر مفہوم کو ترجمہ میں اختیار کیا ہے[۵۸]

آیت وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴿۲۵۵﴾ کی تفسیر میں مولانا مودودی نے لکھا ہے: ''اصل میں لفظ'' کرسی'' استعمال ہوا ہے جسے بالعموم حکومت واقتدار کے لئے استعارے کے طور پر بولا جاتا ہے اردو زبان میں بھی اکثر کرسی کا لفظ بول کر حاکمانہ اختیارات مراد لیتے ہیں''[۵۹] مولانا صدر الدین اصلاحی لفظ کرسی کو محض استعارہ قرار دینے میں تامل کرتے ہیں فرماتے ہیں:

''اس جگہ اصل میں لفظ کرسی استعمال ہوا ہے جو حکومت واقتدار کا مفہوم رکھتا ہے جس طرح کہ عرش کا لفظ مگر اس کے باوجود قطعیت سے یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ یہ الفاظ

محض استعارے کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن چونکہ ان کا تعلق امور غیب سے ہے اس لئے آگے ہمارے لئے گفتگو کی گنجائش نہیں''۔[۶۰]

مقدمہ تیسیر القرآن

تفسیر لکھنے کے دوران جابجا مولانا کو محسوس ہوا کہ بعض موضوعات زیادہ تفصیل کے متقاضی ہیں جن کی مختصر تفسیری حواشی میں گنجائش نہیں ہے اس کے لئے انہوں نے ایک مقدمہ لکھنے کی ضرورت محسوس کی جس میں ان موضوعات پر تفصیل سے بحث کی جائے اور تفسیر میں حسب ضرورت اس کی طرف اشارہ کر دیا جائے چنانچہ تفسیر کے دوران متعدد مقامات پر مولانا نے مقدمہ کی طرف اشارہ کیا ہے مثلاً:

اَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ﴿۸۷﴾ کے تحت لکھتے ہیں:

''روح سے مراد حضرت جبرئیل ہیں جو وحی پہونچانے کے اعلیٰ ترین منصب پر مامور ہیں لفظ روح سے متعلق مزید تفصیلات مقدمہ قرآن میں دیکھئے''۔[۶۱]

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ ﴿۹۷﴾ کے ضمن میں لکھا ہے:

''قلب پر نازل کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کے متعلق مقدمہ میں 'وحی' کی بحث دیکھئے''[۶۲] اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ ﴿۱۳۲﴾ کے ذیل میں لفظ 'دین' کی مختصر تشریح کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''مزید تفصیل مقدمہ میں ملے گی''۔[۶۳]

فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ ﴿۱۵۷﴾ کی تفسیر میں حج اور عمرہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ان کی حقیقت کیا ہے؟ اور ان کے اندر ہوتا کیا ہے؟ اس کی تفصیل کے لئے مقدمہ قرآن دیکھئے''[۶۵] وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ﴿۱۷۷﴾ کے تحت لکھا ہے:

''توحید، آخرت ملائکہ سارے انبیاء اور ساری کتابوں پر ایمان لانے کا کیا مطلب

ہے؟ ان پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے؟ اس ایمان لانے کے کیا معنی اور کیا تقاضے ہیں؟ یہ ساری بحثیں تفصیل کے ساتھ مقدمہ میں ملیں گی"۶۲

اس تفصیل سے مقدمہ تیسیر القرآن کے خدوخال کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے

تفسیر کا سلسلہ بند ہونے کے تقریباً ایک سال کے بعد جلد ۱۲ شمارہ ۳۔۶ جون تا ستمبر ۵۴ء میں مولانا کا ایک مقالہ "مقدمہ تیسیر القرآن" کے عنوان سے شائع ہوا یہ مقالہ مجوزہ مقدمہ 'تیسیر القرآن' کا ابتدائی حصہ تھا۔۶۷ ایک مقالہ 'تاریخ القرآن' کے عنوان سے جلد ۱۳ شمارہ نمبر ۱ اکتوبر ۵۴ء میں اور ایک مقالہ بعنوان "قرآن مجید کے کتاب الٰہی ہونے کا ثبوت" دو قسطوں میں جلد نمبر ۳۰ شمارہ نمبر ۱۔۲ جنوری فروری ۶۳ء میں شائع ہوا۔

مذکورہ مقالات پر نظر ثانی اور کافی ترمیم و اضافہ کے ساتھ مزید تین مقالات بعنوان 'قرآن کا انداز بیان' 'اجزائے قرآن' اور 'اہم اصطلاحات' کی شمولیت کے بعد جون ۱۹۶۳ء میں مولانا کی کتاب "قرآن مجید کا تعارف" شائع ہوئی اس کتاب کے مقدمہ میں اگرچہ یہ صراحت نہیں ملتی کہ یہی مولانا کا مجوزہ "مقدمہ تیسیر القرآن" ہے لیکن اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس کتاب کا ابتدائی حصہ وہی ہے جو ماہنامہ زندگی میں مقدمہ تیسیر القرآن کے عنوان سے شائع ہو چکا تھا اور اس میں بعض وہ موضوعات بھی ہیں جن کی طرف مولانا نے دوران تفسیر 'مقدمہ' میں رجوع ہونے کا مشورہ دیا تھا۔

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اپنی تفسیر کی طرح یہ کتاب بھی مولانا نے غیر مسلموں کو پیش نظر رکھ کر لکھی ہے جیسا کہ اس کے مقدمہ میں صراحت ہے:

"یہ کتاب مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلم حضرات کو سامنے رکھ کر مرتب کی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں بعض بحثیں اور تفصیلات ایسی بھی آ گئی ہیں جو شاید مسلم قارئین کے لئے کچھ ایسی ضروری نہ ہوں مگر چونکہ ایک غیر مسلم کے لئے وہ قطعی ضروری تھیں اس لئے ان سے صرف نظر . . . کسی طرح صحیح نہ ہوتا"۔۶۸

اس کتاب کا ب. . . دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں بعض وہ موضوعات موجود نہیں ہیں جن کی طرف مولانا نے تفسیر کے بعض مقامات پر مقدمہ میں رجوع ہونے کا

مشورہ دیا تھا کتاب کے مقدمہ میں مولانا نے اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے لکھتے ہیں:

"خیال تھا کہ کتاب میں ایک اور باب "قرآن کی بنیادی تعلیمات" کا بھی ہوگا مگر دو وجوہوں سے اس خیال کو ترک کر دینا پڑا۔ ایک تو یہ کہ صرف بنیادی تعلیمات کے تعارف سے قرآن کی پوری تعلیم کا سمجھ لینا ناممکن تو ہوگا ہی کچھ بعید نہیں کہ اس کے بارے میں ذہن کچھ غلط تصورات کا بھی شکار ہو رہیں۔ دوسری یہ کہ تعلیمات قرآن کے موضوع پر تفصیل سے لکھنے اور ایک مستقل کتاب مرتب کرنے کا ارادہ ہے جو ایک طرح سے اس کتاب کی دوسری جلد ہوگی۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ اس ارادے کو جامہ عمل پہنانے کی توفیق اور فرصت کب عنایت فرماتا ہے؟ ویسے جب تک ایسا نہیں ہو جاتا پیش نظر مقصد کو ایک حد تک راقم کی ایک اور کتاب "اسلام ایک نظر میں" کے مطالعے سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے"۶۹

افسوس کہ مولانا اپنے منصوبے کے مطابق اس کتاب کا ایک باب بالفاظ دیگر اس کی دوسری جلد نہیں لکھ سکے اس طرح اس کتاب (قرآن مجید کا تعارف) کو مولانا کی ناتمام تفسیر کا ناتمام مقدمہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

تفسیر تیسیر القرآن کا یہ تعارفی مطالعہ یہ ثبوت فراہم کرتا ہے کہ یہ اپنے اندرون میں بہت سے جواہر پارے سمیٹے ہوئے ہے اس لئے اپنی موجودہ تمام ناتمام صورت میں بھی اس کی اشاعت ایک اہم علمی خدمت ہوگی۔

حواشی و مراجع

۱۔ ماہنامہ زندگی رامپور جلد ۴ شمارہ ۴-۵ اگست ستمبر ۱۹۵۰ء ص ۱۲
۲۔ ماہنامہ زندگی جلد ۴ شمارہ ۶ اکتوبر ۱۹۵۰ء ص ۳۰
۳۔ ماہنامہ زندگی جلد ۱۰ ش ۵-۶ اگست ستمبر ۱۹۵۳ء ص ۱۹
۴۔ حوالہ سابق
۵۔ ماہنامہ زندگی جلد ۷ ش ۳ فروری ۱۹۵۲ء ص ۱۴
۶۔ ماہنامہ زندگی ج ۷ ش ۵ مارچ ۱۹۵۲ء ص ۱۶
۷۔ ماہنامہ زندگی ج ۴ ش ۴-۵ اگست ستمبر ۱۹۵۰ء ص ۱۸-۱۹
۸۔ حوالہ سابق ص ۲۲

۹۔ حوالہ سابق ص ۲۷-۲۹

۱۰۔ ماہنامہ زندگی ج ۳ ش ۹-۱ اکتوبر ۱۹۵۰ء ص ۸

۱۱۔ حوالہ سابق ص ۱۴-۱۵

۱۲۔ حوالہ سابق ص ۱۶-۱۷

۱۳۔ ماہنامہ زندگی ج ۷ ش ۵ مارچ ۱۹۵۲ء ص ۱۳

۱۴۔ ماہنامہ زندگی ج ۸ ش ۳ جولائی ۱۹۵۲ء ص ۱۳

۱۵۔ ماہنامہ زندگی ج ۱۰ ش ۱ ص ۱۵-۱۷۔ یہ حصہ بعد میں جلد ۶۹ شمارہ ۲-۱۲ اگست تا ستمبر ۱۹۸۲ء میں مطالعہ قرآن کے کالم میں "مسئلہ شفاعت کی تحقیق" کے عنوان سے شائع ہوا۔

۱۶۔ ماہنامہ زندگی ج ۳ ش ۴-۵ اگست ستمبر ۱۹۵۰ء ص ۱۳

۱۷۔ ماہنامہ زندگی ج ۹ ش ۶ مارچ ۵۳ء ص ۶۱-۵۲ رسائل و مسائل بعنوان "علم الٰہی"

۱۸۔ زندگی ج ۹ ش ۶ مارچ ۱۹۵۳ء ص ۶۳-۶۴ رسائل و مسائل بعنوان "مسجد حرام کا مفہوم"

۱۹۔ زندگی ج ۷ ش ۱-۲ نومبر دسمبر ۱۹۵۱ء ص ۲۲

۲۰۔ زندگی ج ۱۱ ش ۱ اکتوبر ۱۹۵۳ء ص ۶۱-۶۴-۳۷ رسائل و مسائل بعنوان "قرآن کے مصدق تورات ہونے کا مطلب"

۲۱۔ اس آیت کا ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی نے بھی کیا ہے لیکن انہوں نے نہ کلام عرب سے استدلال کیا ہے نہ قرآنی نظائر پیش کئے ہیں اور نہ لغوی بحث کی ہے ملاحظہ کیجئے تدبر قرآن تاج کمپنی دہلی ۱۹۸۹ء جلد اول ص ۱۳۸۱ البتہ انہوں نے آل عمران کی آیت ۸۱ کی تفسیر کے ضمن میں ایک شعر سے استدلال کیا ہے تدبر قرآن دوم ص ۱۳۵

۲۲۔ زندگی ج ۱۵ ش ۵ جنوری ۵۶ء ص ۴۴-۵۱ رسائل و مسائل بعنوان "قرآن کے مصدق تورات ہونے کا مطلب" (مزید وضاحت)

۲۳۔ زندگی ج ۷ ش ۱-۲ نومبر دسمبر ۵۱ء ص ۲۸

۲۴۔ حوالہ سابق ص ۳۱

۲۵۔۲۔ زندگی ج ۷ ش ۱-۲ نومبر دسمبر ۵۱ء ص ۲۸

۲۴۔ حوالہ سابق ص ۳۱

۲۵۔ زندگی ج ۹ ش ۵ فروری ۵۳ء ص ۱۶-۲۳ رسائل و مسائل بعنوان "ہاروت ماروت کیا سکھاتے تھے؟"

۲۶۔ زندگی ج ۷ ش ۳ جنوری ۵۳ء ص ۱۹

۲۷۔ زندگی ج ۷ ش ۴ فروری ۵۲ء ص ۲۶

۲۸۔ زندگی ج ۸ ش ۳ جولائی ۵۲ء ص ۹

۲۹۔ زندگی ج ۹ ش ۲۔ اگست ۵۲ء ص ۱۴

۳۰۔ حوالہ سابق ص ۱۸

۳۱۔ زندگی ج ۹ ش ۵ ستمبر ۵۲ء ص ۱۴

۳۲۔ زندگی ج ۹ ش ۱۔ اکتوبر ۵۲ء ص ۱۰

۳۳۔ زندگی ج ۹ ش ۶ مارچ ۵۳ء ص ۱۱-۱۲

۳۴۔ زندگی ج ۱۰ ش ۳ جون ۵۳ء ص ۱۲

۳۵۔ زندگی ج ۱۰ ش ۵-۶۔ اگست ستمبر ۵۳ء ص ۱۷

۳۶۔ زندگی ج ۴ ش ۴-۵ اگست ستمبر ۵۰ء ص ۱۲

۳۷۔ زندگی ج ۷ ش ۱-۲ نومبر دسمبر ۵۱ء ص ۲۳

۳۸۔ زندگی ج ۱۰ ش ۱۔ اپریل ۵۳ء ص ۱۹

۳۹۔ زندگی ج ۱۰ ش ۲۔ اپریل ۵۳ء ص ۱۸

۴۰۔ زندگی ج ۷ ش ۱-۲ نومبر دسمبر ۵۱ء ص ۲۵

۴۱۔ زندگی حوالہ سابق

۴۲۔ زندگی ج ۱۰ ش ۳ جون ۵۳ء ص ۱۰

۴۳۔ زندگی ج ۱۰ ش ۳ جون ۵۳ء ص ۱۶

۴۴۔ ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی نے مولانا صدر الدین اصلاحی پر اپنے ایک مضمون شائع شدہ ماہنامہ بیدار ڈائجسٹ لاہور جلد ۱۰ ش ۱ جنوری ۱۹۹۹ء میں لکھا ہے "فراہی مکتب فکر کے حوالہ سے مولانا صدر الدین اصلاحی مدت العمر بے تعلق سے رہے ان کی زندگی کے کسی دور میں بھی مولانا فراہی کا ذکر نہیں ملتا میں نے ملاقاتوں میں بھی کبھی ان کی زبان سے فراہی اور فکر فراہی کا ذکر نہیں سنا نہ ہی ان کی کسی تحریر میں مجھے اس کا سراغ ملا" مولانا فراہی کے بارے میں مولانا صدر الدین اصلاحی کے مذکورہ اقتباس کی موجودگی میں ڈاکٹر شرف الدین کے اس بیان کی صحت مشتبہ ہو جاتی ہے۔

۳۵۔ زندگی ج ۴ ش ۴-۵۔ اگست ۵۰ء ص ۱۳

۳۶۔ الامام عبدالحمید الفراہی رسائل الامام الفراہی دلائل النظام۔ دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ طبع دوم ۱۹۹۱ء ص ۱۰۵

۳۷۔ زندگی ج ۱۰ ش ۵-۶۔ اگست ستمبر ۵۳ء ص ۱۰

۳۸۔ زندگی ج ۷ ش ۴ فروری ۵۲ء ص ۲۰

۳۹۔ زندگی ج ۸ ش ۱۔ مئی ۵۲ء ص ۹

۵۰۔ حوالہ سابق

۵۱۔ زندگی ج ۴ ش ۴-۵۔ اگست ستمبر ۵۰ء ص ۱۳

۵۲۔ تفہیم القرآن مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی جلد اول طبع پنجم ۱۹۹۳ء ص ۱۳۱-۱۳۲۔

۵۳۔ زندگی ج ۸ ش ۳ جولائی ۱۹۵۲ء ص ۱۵
۵۴۔ تفہیم القرآن اول ص ۱۵۱
۵۵۔ زندگی ج ۸ ش ۴۔ اگست ۵۲ء ص ۱۷
۵۶۔ حوالہ سابق
۵۷۔ تفہیم القرآن اول ص ۱۵۹۔ ۱۶۰
۵۸۔ زندگی ج ۸ ش ۵ ستمبر ۵۲ء ص ۱۶
۵۹۔ تفہیم القرآن اول ص ۱۹۵
۶۰۔ زندگی ج ۱۰ ش ا۔ اپریل ۵۳ء ص ۱۸
۶۱۔ زندگی ج ۷ ش ا۔ ۲ نومبر دسمبر ۵۱ء ص ۱۷
۶۲۔ حوالہ سابق ص ۴۲
۶۳۔ حوالہ سابق ص ۴۵
۶۴۔ زندگی ج ۷ ش ۵ مارچ ۵۲ء ص ۱۰
۶۵۔ زندگی ج ۸ ش ا۔ مئی ۵۲ء ص ۹
۶۶۔ زندگی ج ۸ ش ۲ جون ۵۲ء ص ۱۷
۶۷۔ بعد میں یہی مقالہ "قرآن کی حیثیت" کے عنوان سے زندگی جلد ۵۵ شمارہ ۔ا۔ نومبر ۷۵ء میں دوبارہ شائع کیا گیا۔
۶۸۔ قرآن مجید کا تعارف مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی دہلی طبع اول ۱۹۶۳ء ص ۷
۶۹۔ حوالہ سابق ص ۷۔ ۸

مولانا تدبر و تفکر کے عادی، خاموش سنجیدہ اور باوقار شخص تھے، جلوس سڑکی، ہنگامی اور عام دلچسپی کے کاموں سے ان کو کوئی مناسبت نہ تھی، سستی شہرت اور نام و نمود سے بے زار تھے۔ ان کے تعلقات بھی زیادہ وسیع نہ تھے عام تو درکنار خاص لوگوں سے بھی زیادہ اختلاط پسند نہ کرتے کیونکہ علمی اور تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے یہی چیزیں بڑی تباہ کن ہوتی ہیں۔ وہ خاموشی سے علم و دین کی خدمت کو اپنا مقصود حیات بنائے ہوئے تھے۔ تاہم متقشف اور خشک آدمی نہ تھے اپنے ہم مذاق دوستوں سے بڑی بے تکلفی سے ملتے اور نہایت دلچسپ اور پرلطف باتیں کرتے ایسے موقعوں پر ان کی ذہانت و ظرافت طبع کے خوب نمونے دیکھنے میں آتے"۔

(ضیاء الدین اصلاحی، وفیات، معارف دسمبر ۱۹۹۸ء ج ۱۶۲ عدد ۶ ص ۴۶۹)

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ مرحوم کی تصانیف

ایک تعارف

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
مبارک پور، انور گنج، اعظم گڑھ (یو۔پی)

اعظم گڑھ کی مردم خیز سرزمین باکمال اور اہل علم و فضل و دانش کی وجہ سے معروف و مشہور ہے مولانا صدرالدین اصلاحی (۱۹۱۶ء۔ ۱۹۹۸ء) کا تعلق بھی اسی مردم خیز سرزمین سے ہے:

اس خطہ اعظم گڑھ پہ مگر فیضان تجلی ہے یکسر　جو ذرہ یہاں سے اٹھتا ہے وہ نیر اعظم ہوتا ہے

مولانا صدرالدین اصلاحی مرحوم کی شخصیت مجموعہ اوصاف و کمالات تھی وہ ایک بڑے مفکر، مصنف اور اہل قلم تھے، مضمون نگاری کا شوق طالب علمی کے زمانہ سے ہی ہو گیا تھا انہوں نے مدرسۃ الاصلاح میں تعلیم حاصل کی اور اسی زمانہ میں کئی مضامین لکھے جو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے رسالہ ترجمان القرآن میں شائع ہو کر مقبول ہوئے ان ابتدائی مضامین ہی سے ان کی پختہ علمی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا مودودیؒ سے تعلق اور ترجمان القرآن سے وابستگی کی وجہ سے وہ جماعت اسلامی کے تاسیسی رکن بنے اور مدۃ العمر اسی سے وابستہ رہے حالانکہ ان کے متعدد رفقاء و اساتذہ اس کارواں سے بچھڑتے رہے مگر ان کے پائے استقامت میں کبھی لغزش نہیں آئی واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے جماعت کی علمی و عملی اور فکری ہر میدان میں بڑی خدمت کی۔ اپنی تصانیف سے بھی انہوں نے جماعت ہی کی خدمت انجام دی اور اس خدمت کا اندازہ ان کی تقریباً دو درجن سے زیادہ کتابوں اور متعدد مضامین سے کیا جا سکتا ہے۔ ان کے خصوصی موضوعات کا تعلق مسلمانوں کے معاشرتی اور عائلی مسائل سے ہے ان کی تحریروں کی خصوصیت سنجیدگی متانت حسن استدلال اور شائستہ اسلوب ہے۔

"جولوگ واضح اور معتبر قرائن کی روشنی میں نفاق عقیدہ کے مریض معلوم ہوں ان کے وجود سے معاشرے کو پاک کرنے کی ویسی ہی جدوجہد کرنی پڑے گی جیسی کہ وباؤں کے پھوٹ پڑنے پر ان کے جراثیم کو ہلاک کرنے کی کی جاتی ہے، اس جدوجہد کی ابتداء یقیناً افہام وتفہیم اور اصلاح وتذکیر ہی سے ہونی چاہئے لیکن اگر اس تریاق کے بعد بھی زہر دور نہ ہو تو ہر شخص کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کے خلاف اپنے سارے ممکن ذرائع سے اٹھ کھڑا ہو ان سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کرلے، ان کے خلاف ہر مناسب تدبیر سے جہاد کرے اور سوسائٹی میں ان کا سانس لینا دوبھر کردے۔" (حقیقت نفاق ص ۱۰۲)

یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک منفرد کاوش ہے جس کی افادیت دور حاضر میں اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔

حقیقت عبودیت

یہ کتاب دراصل شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کے رسالہ "العبودیۃ" کا اردو ترجمہ ہے ارباب نظر جانتے ہیں کہ عبادت کے موضوع پر ابن تیمیہ کی یہ کتاب کس قدر بلند مرتبہ کی حامل ہے اس میں علامہ ابن تیمیہ نے بدلائل واضح کیا ہے کہ عبادت ایک بڑا جامع اور وسعت پر مبنی لفظ ہے جس میں دین کامل اور تمام اعمال وافعال وکردار آجاتے ہیں لیکن عبادات اور طریقہ عبادت کے فہم وادراک میں افراط وتفریط کی وجہ سے متعدد فرقے وجود میں آگئے، ماضی کی طرح یہ عمل اب بھی برقرار ہے علامہ ابن تیمیہ نے اپنے وقت کے تقاضوں کے مطابق یہ کتاب لکھی تھی، مولانا اصلاحی مرحوم نے اپنے عہد کے تقاضوں کے تحت اس کو اردو کا جامہ پہنایا اور واقعہ یہ ہے کہ آج جو صورت حال ہے اس میں اس رسالہ کو ہر شخص کو ضرور پڑھنا چاہئے۔

اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے رسالہ "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" سے اہل

علم بخوبی واقف ہیں جس میں انہوں نے مختلف فیہ مسائل کے درمیان عدل وانصاف کے تقاضوں پر بحث کی ہے اور اعتدال کی راہ دکھائی ہے نیز تاریخ اسلام سے صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور فقہاء ودیگر طبقات وعہد سے اس کی مثالیں پیش کی ہیں۔

زیر نظر کتاب دراصل اسی کا ترجمہ ہے مولانا اصلاحی نے اس میں جابجا حواشی کا اضافہ کر کے اس کی افادیت میں مزید اضافہ بھی کردیا ہے۔

اسلامی نظام معیشت

اسلام نے زندگی کے ہر شعبے میں انسانوں کی مکمل رہنمائی کی ہے، انسانوں کا ایک بڑا مسئلہ معاش اور ذریعہ معاش کا ہے اس سلسلہ میں اسلام نے ایک مکمل نظام پیش کیا ہے چنانچہ مولانا اصلاحی نے اس کتابچہ میں جو دراصل جماعت اسلامی کے کل ہند اجلاس میں پڑھا گیا ایک مقالہ ہے۔ جس میں اسلامی نظام معیشت پر مفصل روشنی ڈالی ہے اور موضوع کے تمام گوشوں اور اس کی جزئیات وفروعیات کو مختصر اور جامع طور پر قلمبند کیا ہے جابجا موجودہ نظام معیشت سے تقابل بھی کیا ہے اور اسلامی نظام معیشت کی خوبیاں بھی واضح کی ہیں اور آخر میں لکھا ہے کہ "انسانوں کے معاشی مسئلے کا حل صرف وہ ہے جو اسلام پیش کرتا ہے۔" (ص ۴۴)

اساس دین کی تعمیر

دین کی صحیح فہم وبصیرت بڑی دولت ہے لیکن اصل چیز عمل ہے اس میں دین حق کی اطاعت اور اقامت دین کا فریضہ بھی شامل ہے اس لئے دین کے بنیادی لوازم سے واقفیت انتہائی ضروری ہے۔ مولانا اصلاحی نے اس کتاب میں ایمان باللہ، ایمان بالآخرہ اور نماز اور صبر جیسے دین کے سنگ ہائے بنیاد پر سیر حاصل بحث کی ہے اور واضح کیا ہے کہ ان کے بغیر دین حق کی اطاعت اور اقامت دین کے فریضہ کو صحیح طور پر ادا نہیں کیا جاسکتا۔

فریضہ اقامت دین

اس کتاب میں فریضہ اقامت دین کی اہمیت وضرورت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور اس سے گریز کی جو راہیں اختیار کی جاتی ہیں ان کا تجزیہ کرتے ہوئے مدلل جواب فراہم

کیا گیا ہے اقامت دین جیسے اہم فریضہ کی اہمیت کے بیان میں یہ کتاب پڑھنے کے لائق ہے اس سے امت مسلمہ کے قیام و وجود اور اس کے اسباب و مقاصد پوری طرح سامنے آجاتے ہیں۔

اسلام ایک نظر میں

اسلام ہے کیا؟ علماء کے قلم سے اس سوال کا جواب ہر دور میں دیا جاتا رہا ہے یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے مولانا اصلاحی نے اسلام کے عقائد و احکام اور اس کی تعلیمات اور خصوصیات کا مفصل جائزہ لیا ہے۔

اس کتاب سے اسلام کا مفہوم اس کے بنیادی عقائد اعمال، نظام حیات، اسلامی تعلیمات، مسلمانوں کے فرائض اور اسلامی سعادت و برکت کا ایک جامع خاکہ سامنے آجاتا ہے

اسلام اور اجتماعیت

اسلامی تعلیمات میں کامیابی وکامرانی کے حصول کے لئے جن خوبیوں، وسیلوں اور طریقوں کو واضح کیا گیا ہے ان میں اجتماعیت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

مسلمانوں کے زوال و انحطاط کے اسباب میں اس نسخہ کیمیا سے بے اعتنائی اور غفلت خاص سبب رہا جس کی وجہ سے آج پوری امت مسلمہ افتراق و انتشار کا شکار ہے مولانا صدرالدین اصلاحی مرحوم نے یہ کتاب لکھ کر بھرپور کامیابی وکامرانی کے حصول کے لئے مسلمانوں کو اجتماعیت کی اہمیت کو یاد دلا کر اتحاد و اتفاق کی دعوت دی اور تفصیل سے اسلام میں اجتماعیت کے مقام و مرتبہ اور اس کی افادیت، مقاصد اور فوائد کو بیان کیا اور غیر اجتماعی زندگی کے مضرات و نقصانات کی نشاندہی کر کے اس کے خوفناک نتائج سے مسلمانوں کو متنبہ بھی کیا آخری ابواب میں اجتماعیت کی ہیئت اور زندگی کے مختلف شعبوں میں اجتماعیت کو بروئے کار لانے کے طریقے بھی بیان کردئے گئے ہیں، ضمناً ان عوامل کا بھی ذکر آگیا ہے جن سے عموماً اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔

انہوں نے حقوق و فرائض کی ادائیگی کو اختلافات کے خاتمہ کا خاص ذریعہ بتایا ہے۔ ملی زندگی کے دینی تقاضے اور گوشہ گیری جیسے موضوعات بھی زیر بحث آئے ہیں اور اس کے ذریعہ اجتماعیت کے دوسرے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

اپنے موضوع پر یہ کتاب نہایت مفید اور پڑھنے کے لائق ہے

قرآن مجید کا تعارف

اس کتاب میں قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کے شواہد اور دلائل اور سابقہ کتب سماویہ کی بشارتوں کو پیش کرنے کے بعد مطالعہ قرآن مجید کی ذمہ داری کے عنوان سے مطالعہ وعمل کی دعوت بڑے موثر اور دلنشیں انداز میں دی گئی ہے ایک باب میں مولانا اصلاحی نے نزول اور تدوین قرآن کی تاریخ کا جائزہ لیا ہے کتاب محفوظ کے عنوان سے قرآن کے کتاب محفوظ ہونے کی تفصیل میں اس کے مفہوم اور اس پر پیدا ہونے والے سوالات کے جوابات بھی دیے گئے ہیں اس سلسلہ میں عقلی اور نقلی دلائل پیش کر کے متعدد اندیشوں اور غلط خیالات کو تردید بھی کردی گئی ہے۔

قرآن مجید کے معجزانہ اسلوب و انداز بیان کی ندرت وجدت بھی مولانا اصلاحی نے بڑی عمدگی سے بیان کی ہے۔

ایک مختصر سے باب میں قرآن اور اجزائے قرآن مثلاً سورہ آیت پارے اور رکوع وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے آخر میں قرآن کی اہم اصطلاحات مثلاً اللہ، نبی رسول، وحی وملائکہ، اسلام مومن و مسلم، کفر وکافر، شرک و مشرک اور اہل کتاب وغیرہ پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔

گرچہ یہ کتاب غیر مسلم ذہن کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے لیکن مسلم اور غیر مسلم سب کے لئے یکساں مفید ہے اور اردو کے ذخیرہ علوم القرآن میں یہ کتاب بے نظیر اور اہم حیثیت کی حامل ہے۔

دین کا قرآنی تصور

اس کتاب میں قرآنی تصور کی وضاحت کی گئی ہے خاص طور پر ''خدا کی مکمل اور

والہانہ اطاعت'' اور'' خدا کا مکمل اور سچا عشق'' پر اظہار خیال کیا گیا ہے اور لکھا ہے کہ عقیدہ توحید جن لوگوں اور جن قوموں کا بنیادی عقیدہ رہا ہے انہوں نے دین کے یہ دونوں ہی تصورات اپنائے ہیں اس سلسلہ میں انہوں نے صفات الٰہی، انسان کا مقصد وجود، نوع انسان کی حیثیت، انسانی قوتیں، خواہش اور جذبات قرآنی احکام کی روشنی میں قرآنی تصور دین کی عمدہ تشریح کی ہے انھوں نے لکھا ہے کہ محبت الٰہی، عشق سے ایک مختلف شیٔ ہے۔

ایک باب میں ان بنیادی تقاضوں کی وضاحت کی گئی ہے جو قرآن کو مقصود ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت وبندگی کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول۔ طلب دنیا سے اجتناب، وحدت دین، رسالت وشریعت کی ضرورت احکام الٰہی کا غیر مشروط اتباع، نبی وقت کی کامل پیروی وغیرہ۔

عشق الٰہی کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے اس کی حقیقت اور اس کے مثبت ومنفی پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے۔

اصلا اس کتاب میں روئے سخن تصوف اور اہل تصوف اور ان کے افکار وخیالات اور اعمال وافعال کی جانب ہے، مولانا کے خیال میں بعض اہل تصوف کے تصور دین میں قرآنی تعلیمات کا اثر نظر نہیں آتا۔

مولانا اصلاحی کے معتدل اسلوب نگارش کے برخلاف اس کتاب میں کہیں کہیں صوفیانہ افکار پر تنقید سخت لب ولہجہ میں کی گئی ہے۔

تحریک اسلامی ہند

یہ کتاب تحریک اسلامی کا ایک جامع تعارف ہے جس میں تحریک اسلامی کے قیام کا پس منظر اور اس کے نصب العین کی وضاحت کی گئی ہے اور دعوت وتبلیغ کے طریقہ کار، ارکان کی تربیت، موجودہ سماج میں تحریک کی اہمیت وافادیت، مخالفین کے شکوک وشبہات اور مخالفت وعناد جیسے پہلوؤں پر مولانا اصلاحی نے اپنے وسیع تجربات کی بنیاد پر بہترین مشورے اور اصول وضابطے بیان کئے ہیں نیز ملک وملت کے مسائل اور ملی اتحاد وغیرہ کے

امکانات کا جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ وہی اصول وطریقہ کامیابی سے ہمکنار ہوگا جو انبیائے کرام اور آخر میں نبی آخر الزماں ﷺ کا تھا۔

۷۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں تحریک اسلامی کے قیام اسباب قیام نصب العین، دعوت کے مقاصد، طریقہ دعوت، تحریک اسلامی کا مکمل نظام، تحریک اسلامی کے کارکنوں کی تربیت اور ان کا دعوتی طریقہ کار وغیرہ کا مکمل خاکہ قلمبند کردیا گیا ہے مجموعی طور سے یہ کتاب تحریک اسلامی کا ایک عمدہ اور جامع تعارف ہے۔

مسلم پرسنل لا دینی وملی نقطہ نگاہ سے

ماہنامہ ''زندگی'' کے مسلم پرسنل لا نمبر میں مولانا کا ایک مضمون مذکورہ بالا عنوان کے تحت شائع ہوا تھا جس میں مسلم پرسنل لا کی حقیقت وحیثیت اور اس کی اہمیت وافادیت کو بڑی خوبی سے پیش کیا گیا ہے اس مضمون کی اہمیت کے پیش نظر بعد میں اس کو کتابچہ کی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔

یکساں سول کوڈ اور مسلمان

ہندوستانی مسلمانوں کو درپیش مسائل میں آج یکساں سول کوڈ کا مسئلہ انتہائی سنگین اور باعث تشویش ہے مختلف حیلوں اور بہانوں سے اس کی وکالت کی جارہی ہے لیکن مقصد صاف ظاہر ہے کہ اس کی اصل زد اور نشانہ مسلم پرسنل لا ہے۔

آج سے کوئی پچیس برس پہلے جب اس کا شور بلند ہوا تھا اور اس کی حمایت میں پرزور آوازیں اٹھیں اس وقت عام طور پر لوگ اس کے مفہوم ومدعا اور اس کے نقصانات سے واقف نہیں تھے اس وقت اس فتنہ کی سنگینی کو محسوس کرکے مولانا صدرالدین اصلاحیؒ نے یہ کتاب لکھی تھی اور یکساں سول کوڈ کی حیثیت اور اس مسئلہ کے مالہ وماعلیہ کو واضح کیا تھا اور اس کی حمایت کرنے والوں کی ہر دلیل کا جائزہ لے کر اس کو مذہب وشریعت میں صریحاً مداخلت بیجا ہی ثابت نہیں کیا بلکہ اس کو ملکی اتحاد وسالمیت کے لئے زہر قاتل گردانا تھا۔

مولانا نے یکساں سول کوڈ کی معقولیت وعدم معقولیت پر اسلامی نقطہ نظر کے علاوہ

سیاسی، سماجی اور عوامی لحاظ سے بھی بحث کی اور اس کے مہلک نتائج سے باخبر کرتے ہوئے بدلائل ثابت کیا کہ یکساں سول کوڈ سے بہتری کی توقع فضول وعبث ہے۔

یہ اردو میں اپنے موضوع پر اولین کوشش ہے اور یہ آج بھی نہایت کارآمد کتاب ہے۔

راہ حق کے مہلک خطرے

یہ کتابچہ تحریک اسلامی کے پس منظر میں لکھا گیا ہے اور اس میں فوز وفلاح کے بنیادی اسباب کو بیان کرتے ہوئے مولانا اصلاحی نے کارکنوں کی قوت عمل واستقامت، جذبہ خود احتسابی کی اہمیت بڑے موثر انداز میں بیان کی ہے ساتھ ہی انہوں نے ان خطرات کی نشاندہی بھی کی ہے جن سے تحریک اسلامی اپنے مقصد ومدعا میں ناکام ونامراد ہوسکتی ہے مثلاً علم وبصیرت اور اخلاص وللٰہیت کا فقدان، شخصیت پرستی، گروہی تعصب، بے اعتدال اور آزادی رائے کے نام پر اجتماعی فیصلوں سے روگردانی وغیرہ اس سلسلہ میں چند مثالیں بھی دی گئی ہیں۔

نکاح کے اسلامی قوانین

ہندوستان میں مسلمانوں کے تہذیبی وتمدنی اثرات دوسروں پر مرتب ہوئے لیکن انہوں نے بھی دوسروں کے چنداں اثرات قبول کئے، یہی نہیں ان کی معاشرتی زندگی کے ساتھ مذہبی اعمال وافکار میں بھی غیروں سے متاثر ہوئے اور سب سے زیادہ نکاح وشادی، طلاق وغیرہ کا پہلو متاثر ہوا بلکہ نکاح کی اصل غرض وغایت ہی گویا مفقود ہوگئی۔

مولانا صدرالدین اصلاحی مرحوم نے اس ضرورت کے پیش نظر نکاح وشادی کے اسلامی آداب واحکام کو اس خوبی سے بیان کا کہ اسلامی اور غیر اسلامی نکاح کا فرق واضح ہوجائے چنانچہ انہوں نے نکاح کے مفہوم ومقصد کے ساتھ اسلام کی غرض وغایت پر خاص توجہ مبذول کی اس کے علاوہ اہل کتاب عورتوں سے نکاح، نابالغوں کے نکاح، کفائت مہر وغیرہ کو بھی موضوع بنا کر اسلامی نقطہ نظر واضح کر دیا ہے آخر میں یکساں سول کوڈ کا جائزہ لے

کر اس باب میں بھی نکاح کے اسلامی اصول وآداب کی اہمیت واضح کردی ہے۔

اسلامی طریقہ نکاح پر غیروں کے بعض اعتراضات پر تنقید وتبصرہ اور اس کے مضرات کی نشاندہی بھی اس کتاب کا اہم پہلو ہے۔

دین کا مطالعہ

اس کتابچہ میں قرآن وحدیث، سیرت اور صالح لٹریچر کے مطالعہ کی اہمیت وافادیت اور اصلاح وتربیت کے سلسلہ میں ان سے استفادہ کے طریقے بتائے گئے ہیں۔

مسلمان اور دعوت اسلام

یہ مقالہ مولانا اصلاحی نے جماعت اسلامی کے کل ہند اجتماع منعقدہ حیدرآباد، ۲۱/فروری ۱۹۸۱ء میں پیش کیا تھا اس میں داعی حق وخیر کے مطلوب معیار کا بیان ہے کہ وہ خودشناس اور خود محتسب ہو اور گفتار وکردار کا ہمہ وقت جائزہ لیتا رہے اور ذہنی یکسوئی، نصب العین سے گہری وابستگی، ایمان کی پختگی اور اللہ تعالیٰ کے دائمی ذکر کی صفات سے متصف ہو کیوں کہ یہ خوبیاں کسی نعمت عظمیٰ سے کم نہیں۔

دعوت کے فریضے پر قرآن پاک سے استدلال کرتے ہوئے مولانا نے لکھا ہے کہ دعوت ایک اعتقادی، منصبی اور انسانی فریضہ ہے، ان تینوں پہلوؤں کی وضاحت کے بعد دعوت اسلامی کے مطالبات بیان کئے ہیں کامیابی کی چند شرطیں بھی لکھی ہیں ان کا خیال ہے کہ اگر داعی اپنے منصب سے کما حقہ عہدہ برآ ہوجائے تو اس کے ذریعہ ایسی جماعت تیار ہوتی ہے جو معاشرہ کے امن وآشتی کی ضامن بن جاتی ہے۔

معرکہ اسلام وجاہلیت

یہ مولانا اصلاحی کی معرکہ آراء تصنیف ہے اس میں انہوں نے معرکہ حق وباطل کی متعدد مثالوں کو پیش کرکے ثابت کیا ہے کہ روز اول ہی سے حق وصداقت کے خلاف جاہلیت معرکہ آرا رہی ہے اس معرکہ آرائی کے اسباب کا ذکر بھی تفصیل سے کیا گیا ہے۔

نبی آخرالزماں ﷺ کی تیئس ۲۳ سالہ زندگی میں جاہلیت سے معرکہ آرائی کی داستان

قدرے زیادہ تفصیل سے بیان کی گئی ہے آخر میں مولانا اصلاحیؒ نے جاہلیت کی واپسی کے اسباب ومظاہر کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ اسلام کی فتح کے بعد جاہلیت یکسر پسپا اور خاموش نہیں رہتی اس کے جراثیم خود مسلمانوں میں مختلف شکلوں میں ابھرتے ہیں اور دوسری قومیں بہرحال اس جاہلیت کے نرغہ میں رہتی ہیں اور جن کا مقصد ازلی اسلام اور دین حق کو نقصان پہونچانا ہے۔

مولانا اصلاحی کو یقین ہے کہ بالآخر اسلام ہی غالب ہوگا لیکن یہ غلبہ وعروج اس مکمل جاہلیت کی شکست کے بعد ہی ہوگا۔

تلخیص تفہیم القرآن

یہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر ''تفہیم القرآن'' کی تلخیص ہے، تفہیم القرآن چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے عام قاری کی سہولت کے پیش نظر جماعت اسلامی کے ارباب حل وعقد نے اس کی تلخیص کی ضرورت محسوس کی اور یہ خدمت مولانا مرحوم کے سپرد کی جنہوں نے بحسن وخوبی اس فریضہ کو انجام دیا۔

اس تلخیص کی سب سے نمایاں خوبی اس کی جامعیت ہے تفہیم القرآن کے مفصل مباحث کو چند لفظوں اور چند جملوں میں اس طرح سمیٹ کر لکھ دیا ہے کہ اصل روح پوری طرح باقی رہی اس سے مولانا کی قرآنی فہم وبصیرت اور زبان وبیان پر دسترس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

تفہیم القرآن کے مفصل حواشی کو مختصر کردیا ہے آخر میں موضوعات کی ایک فہرست بھی دے دی ہے غرضیکہ تفہیم القرآن کے مفاہیم کو ہر شخص کے لئے سہل الحصول بنانے کی انہوں نے ہر ممکن کوشش کی ہے۔

مسلمان اور امامت کبریٰ

یہ مولانا صدرالدین اصلاحی مرحوم کے دور طالب علمی کی وہ تحریر ہے جو مذکورہ بالا عنوان سے ۱۹۳۷ء میں ترجمان القرآن حیدرآباد میں شائع ہوئی تھی اب یہ کتابی صورت

میں شائع ہوگئی ہے۔

اس میں مختلف اقوام وملل اور آخر میں مسلمانوں کو خلافت الٰہی اور اقتدار وحکومت کی نعمتوں اور پھر زوال نعمت کی عمدہ بحث کرتے ہوئے انہوں نے قرآن پاک اور تاریخ انسانی کی روشنی میں پہلے یہ واضح کیا کہ سنت اللہ ہے کہ جو قوم اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرتی اور ان کو اس روئے زمین پر نافذ کرتی ہے وہی اقتدار کی مستحق ہوتی ہے اور خلافت سے سرفراز کی جاتی ہے۔ بنی اسرائیل کی تاریخ تمام تر اسی سنت الٰہیہ کی ترجمان ہے۔

اس کے بعد مولانا نے بعثت نبوی ﷺ کی اہمیت وضرورت کے سلسلہ میں اس سوال کا کہ عربوں کو خلافت کیوں کرملی یہ جواب دیا ہے کہ چونکہ بعثت نبوی سے پہلے کے اہل کتاب اور ان پر عمل کرنے والوں نے نہ صرف احکامات الٰہی سے کلیۃً انحراف کیا بلکہ وہ عمل تحریف کے بھی مرتکب ہوئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی سنت کے مطابق معزول کر کے عربوں کو اس عظیم منصب سے سرفراز کیا۔ لیکن جب امت مسلمہ نے بھی اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی اور غفلت برتی تو سنت الٰہی کے ضابطہ کے مطابق ان کو بھی سزا وعتاب سے دوچار ہونا پڑا۔

اس تمہید کے بعد بعض بنیادی اسباب زوال مثلاً ملی افتراق، تحریف کتاب، کتمان حق، حب عاجلہ، کراہیت موت، علمائے سو کی سرگرمیاں، احکام شرعی سے بے اعتنائی، باہمی عداوتیں، اکل حرام، موالات کفار ومشرکین، تلاش حیل، جہل پرستی، اور تعلیم سے بے بہری وغیرہ کی تفصیل کرتے ہوئے لکھا کہ ان خرابیوں کی وجہ سے اہل کتاب خلافت ونیابت سے محروم کئے گئے۔

مولانا نے مسلمانوں کی ترقی کے دو طریقے بتائے ہیں ایک تو یہ کہ مادی طریقے کے لئے یا تو وہ یورپ کے سانچے میں ڈھلیں یا پھر مراجعت کرتے ہوئے صدیق اکبرؓ، اور فاروق اعظمؓ اور حضرات صحابہ کرامؓ کے اسوہ سے آراستہ ہوکر جائیں مولانا کی نظر میں یہی اسوہ مسلمانوں کی مادی نیز اخلاقی وروحانی ترقی کے حصول کا واحد ذریعہ ہے اور تبھی وہ پھر خلافت ونیابت سے سرفراز ہوسکیں گے۔

مجموعی طور سے یہ کتابچہ اپنے موضوع پر ایک عمدہ اور معیاری تحریر ہے۔

یہ مولانا صدرالدین اصلاحی مرحوم کی تصانیف کا ایک اجمالی تعارف ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں تصنیف و تالیف پر مکمل عبور حاصل تھا انہوں نے جس موضوع پر قلم اٹھایا حق ادا کر دیا۔

مولانا چونکہ مدۃ العمر جماعت اسلامی سے وابستہ رہے اس لئے انہوں نے جو کچھ لکھا وہ تحریک اسلامی کے پس منظر ہی میں ہے اس لئے قدرتاً ان کی تحریروں پر دعوتی و تحریکی انداز ہی غالب ہے انہوں نے حالات حاضرہ اور غیر اسلامی تہذیب و تمدن کی پر فریب چمک دمک کی حقیقت بھی بیان کی مگر اس تجزیہ و تنقید میں محض جذبات سے کام نہیں لیا بلکہ ان کا قلم ہمیشہ معتدل اور معروضی رہا۔ انہوں نے مثبت و منفی دونوں پہلوؤں کو واضح کیا اور ہر پہلو پر تنقیدی بحث کی۔

مولانا اصلاحی کی یہ تصنیفات اپنی خصوصیات کی وجہ سے انشاء اللہ آئندہ بھی مفید اور مشعل راہ ثابت ہوتی رہیں گی۔

مجھے ان کے خوش اخلاقی کی خوشبو آج بھی محسوس ہوتی ہے

محترم بھائی! خدا کے قانون اور مشیت کے تحت مولانا کو ایک دن یہاں سے جانا ہی تھا۔ یہ بات اطمینان کی ہے کہ مولانا صاحب آخری سانس تک پورے شعور کے ساتھ دین پر قائم رہے۔ ہمارے لئے یہ بات کتنی سعادت کی ہے کہ اللہ رب العزت نے ہمارا تعلق اپنے دین سے رکھا ہے اور اسی دین نے ہمیں یہ خوش خبری دی ہے کہ ہم کل جنت میں اپنے اعزہ سے ملاقات کریں گے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ مولاناؒ اپنے رب کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔ کیونکہ وہ ایسے عالم اور بزرگ تھے جو باعمل تھے۔ میں نے دوران علالت دہلی میں انہیں قریب سے دیکھا ہے۔ وہ ہر حال میں اللہ کے فیصلہ پر راضی رہنے والے صابر و قانع بزرگ تھے۔ سچ بات یہ ہے کہ مولاناؒ کی زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے۔ میں اکثر ان کے بارے میں سوچتا ہوں مجھے ان کے خوش اخلاق کی خوش بو آج بھی محسوس ہوتی ہے۔ محترم! مجھے اللہ رب العزت کی ذات سے پوری امید ہے کہ ہم کل قیامت میں مولاناؒ سے اچھی حالت میں ملیں گے۔ اور پھر یہ ملاقات ہمیشہ کی ہوگی۔

(نسیم غازی فلاحی کے خط سے ایک اقتباس)

افکار اصلاحیؒ ——— تصانیف کے آئینے میں

مولانا محمد محی الدین ایوبی

مولانا ایوبی صاحب تحریک اسلامی کے قدیم رفقاء میں سے ہیں۔

آپ ۱۹۴۳ء میں جماعت اسلامی سے وابستہ ہوئے۔ تقسیم کے بعد جماعت اسلامی ہند کی اولین تشکیل کے لئے ۱۹۴۸ء میں الہ آباد کے اجتماع میں شریک رہے آپ کا پیدائشی تعلق مظفر نگر سے ہے تعلیم دلی میں ہوئی ۱۹۴۷ء کے فسادات میں آپ بمبئی منتقل ہو گئے۔ پہلے شہر کے امیر اور پھر صوبہ بمبئی کے قیم ۱۹۵۲ء تک رہے۔ جماعت کے اجتماع منعقدہ رام پور ۱۹۵۱ء میں آپ شریک رہے۔ اس اجتماع کی روداد میں آپ کا تذکرہ ملتا ہے۔ علاوہ ازیں اس زمانے کی شوریٰ کے اجلاسوں کی روداد میں بھی آپ کا ذکر ہے۔

۱۹۵۲ء میں آپ کراچی منتقل ہو گئے، وہاں جماعت کے ہمہ وقتی کارکن رہے۔ چند سال قبل آپ یو۔ کے، اسلامک مشن کی دعوت پر برطانیہ تشریف لے آئے ہیں اور اس وقت لندن شہر کے مشرقی علاقہ میں واقع مشن کے مرکز میں دعوتی امور کی بجا آوری میں مصروف ہیں تحریک کے لٹریچر پر خصوصاً اور دعوتی و علمی لٹریچر پر آپ کی اچھی نظر ہے۔ علاوہ ازیں آپ ایک مسلم تنظیم کے تحت چلنے والے اسکول کے ہیڈ ماسٹر بھی رہے۔

مسلمان اور امامت کبریٰ

مولانا صدرالدین اصلاحی مرحومؒ کی یہ پہلی تحریری کاوش ہے جو اس وقت معرض وجود میں آئی جب کہ وہ ابھی سرائے میر اعظم گڈھ کی مشہور دینی درسگاہ مدرسۃ الاصلاح میں زیر تعلیم تھے۔ مولانا کی یہ تحریر ۱۹۳۷ء میں ترجمان القرآن میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی جو اس وقت حیدرآباد دکن سے نکلتا تھا۔ اس وقت تحریک "دارالاسلام" پٹھان کوٹ کا کوئی وجود تھا نہ جماعت اسلامی کا۔ اس مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا موصوف کا طرز فکر ابتداء

ہی سے مولانا مودودی اور تحریک اسلامی کے بنیادی فکر سے ہم آہنگ تھا اور یہی سبب ہے کہ تعلیم ختم کرتے ہی مولانا موصوف مودودیؒ کے ساتھ کام کرنے لگے اور دارالاسلام پٹھان کوٹ پہنچ گئے۔

یہ مضمون اب سے اکسٹھ سال پہلے تحریر کیا گیا اور اب ۱۹۹۸ء میں ان کے بھتیجے صاحبزادے برادر رضوان فلاحی صاحب کی کوششوں سے کتابی شکل میں پہلی مرتبہ شائع ہوا ہے۔ خاکسار نے بھی انہی کی بدولت حاصل ہونے والے پمفلٹ کا کل ہی مطالعہ کیا ہے۔

اپنے مطلب اور مقصد کے لحاظ سے یہ اب بھی آج ہی کی تصنیف معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ اس فلسفہ عروج وزوال کو واضح کرتا ہے جو قوموں کے سلسلے میں ابتدائے آفرینش سے سنت اللہ اور فطرۃ اللہ کی حیثیت سے قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔

مولانا نے اس مضمون میں مسلمانوں کو امامت کبریٰ کی عظیم ذمہ داری سے آگاہ کرتے ہوئے برائے علمی اور عملی دلائل سے اس حقیقت کو واشگاف کیا ہے کہ اللہ کے نزدیک قوموں کیلئے بقائے اصلح کا نظریہ اٹل قانون ہے۔

''کہ تم ابھرو گے تو اپنے کرداروں سے اور گرو گے تو اپنے بداعمالیوں سے یہ لایغیر ما بقوم حتی یغیر وا ما بانفسھم یہ وہ اٹل بے لچک اور غیر متبدل قانون ہے جس کے معیار پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی مخلص اطاعت شعار اور حق آگاہ جماعت کو بھی پرکھا گیا جو انبیاء کے بعد خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھی۔ ان سے بھی کہا گیا ''اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو اللہ عنقریب ایک ایسی قوم پیدا کرے گا جو اسے چاہے گی اور وہ اسے چاہے گا یہ قوم مومنین کے لئے نرم اور کافرین کے حق میں سخت ہوگی۔''

انسانی شرف ومجد کا راز یہ ہے کہ وہ اللہ کی زمین پر اس کا خلیفہ ہے۔ خلافت الٰہی کا یہ تاج اس کے سر پر ابتدائے آفرینش ہی میں رکھ دیا گیا تھا تاکہ وہ خدا کی اس زمین پر اس کے احکامات کا نفاذ کرے اس غرض کی پائے تکمیل کے لئے مبشرین ومنذرین کا ایک کثیر التعداد گروہ مختلف زمانوں میں مختلف اقوام وملل کے اندر آتا رہا ہے۔ جب خدا کی مشیت

اور حکمت کسی قوم کو نوازنا چاہتی ہے تو اس کے سروں پر اس مقدس تاج کو رکھ دیتی ہے جس سے جمال انسانیت کی شعاعیں چھن چھن کر ظلمت کو مٹاتی اور انسانی سعادت کی راہیں دکھلاتی رہتی ہیں یہ تاج اس قوم کے سر پر اس وقت تک رہتا ہے جب تک اس کے اندر اس کی اہلیت ہوتی ہے لیکن جب اس قوم پر نفس کا تسلط اور شیطان کا استیلاء ہو جاتا ہے اور وہ قوانین الٰہی کے حدود توڑتی اور اپنی خواہش نفس میں ڈھلتے ہوئے قوانین ان کی جگہ قائم کرتی ہے تو اس قوم سے یہ زریں تاج اتار لیا جاتا ہے اور ظلمت وحیرانی کی ہیبت انگیز بیابانوں میں سرگرداں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ صدر اول کے مسلمانوں کو خلافت کا تاج بخشا کیونکہ وہ اس کی شرط پر پورے اتر چکے تھے لیکن اس کا یہ مقصد نہ تھا کہ آخری شریعت آ جانے کے بعد فطرۃ الٰہی مردہ ہو چکی ہے اور قدرت اپنے آخری فیصلہ کو نافذ کر کے سو رہی ہے اس نے اس وقت بھی وہی الفاظ دہرائے تھے جو بنی اسرائیل کو سریر خلافت پر بٹھاتے وقت کہے تھے ''ثم جعلنا کم خلائف فی الارض من بعدھم لننظر کیف تعملون (سورہ یونس:۱۴)

پھر ہم نے ان لوگوں کے بعد تم کو زمین پر خلیفہ بنایا تاکہ دیکھیں تم کس طرح کام کرتے ہو۔

ان دو لفظوں ''کیف تعملون'' میں امت مسلمہ کی بھی پوری تاریخ بیان کر دی گئی ہے ان میں اسلامی عروج وزوال کی پوری تفصیل موجود ہے۔

تصویر خیر الامم کا ایک رخ تو وہ ہے جو ابتدائی صدیوں میں دیکھا جا چکا ہے اور دوسرا رخ وہ ہے جو آج ہمارے سامنے ہیں۔

اس کے بعد مولانا مرحوم تفصیل کے ساتھ بنی اسرائیل کے اس منصب جلیل سے معزول کیے جانے کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ مسلمانوں کے زوال میں ان اسباب کا کتنا حصہ ہے۔ ملی افتراق تحریف کتاب، کتمان حق، حب عاجلہ اور کراہت موت، علماء کا امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے اعراض، احکام شرعی سے بے اعتنائی، باہمی عداوتیں، اکل حرام، کفار ومشرکین کے ساتھ موالات، نفس کی خواہشات کو پورا کرنے کیلئے کتاب الٰہی کو تختۂ مشق بنانا، جہل ورائے پرستی اور کتاب کی تعلیم سے بے خبری۔

یہ ہیں وہ اسباب جنھوں نے بنی اسرائیل کو اللہ کی رحمت سے دور اور غضب الٰہی کا مستحق بنادیا۔ مولانا ان کی تفصیلات کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی حالت زار میں بھی ان اسباب کی نشاندہی کرتے گئے ہیں آخر میں مولانا سوال کرتے ہیں کیا اب پھر مسلمان ابھریں گے؟

مولانا نہ صرف خود امید رکھتے ہیں بلکہ مسلمانوں کو امید دلاتے ہیں کہ ''مسلمان بڑھیں گے اور ضرور بڑھیں گے۔ زمانہ جلد دیکھ لے گا کہ وہ بھی ایک دوسرا یورپ بنا کر چھوڑیں گے۔ صرف سوال یہ ہے کہ ان کی ترقی کا راستہ کونسا ہوگا؟

خود وہی جواب دیتے ہیں ''میرے ناقص خیال میں دوراہوں کے سوا تیسری کوئی راہ نہ ہوگی۔ یا تو وہ یورپ کے سانچے میں ڈھلیں اور اس کے اصول کو لے کر میدان میں اتریں یا پھر گردن موڑ کر پیچھے ہٹیں اور صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، حیدر کرارؓ، خالد سیف اللہؓ اور عثمان غنی رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اسوہ قرار دیں اور کتاب الٰہی کو لے کر میدان میں آئیں۔

مگر ساتھ ہی وہ ایک تنبیہ کرتے ہیں:

یہ دونوں راہیں مادی ترقی کی راہ میں کامیاب ثابت ہو چکی ہیں لیکن! روحانی اور اخلاقی ترقی کیلئے صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ وہی راہ ہے جو خدا نے بتائی ہے ''ان هـذا القرآن يهدى للتى هى اقوم '' وہ امت کے قائدین کو مخاطب کر کے انہیں ان کی ذمہ داری یاد دلاتے ہیں۔ ہمارے قائدین ملت کو وقت کی نزاکت کا احساس کرنا چاہیے۔ اگر انہیں اپنی شریعت اور ذمہ داری کا بھی ڈر ہو تو خانقاہوں اور مدرسوں کے حجرے سے باہر نکلیں کتاب الٰہی کی روشنی میں منزل مقصود کو تلاش کریں۔ امت کی شیرازہ بندی اور قوم کی مکمل تنظیم کا ہر ممکن طریقہ اختیار کریں اور ان مفاسد کا سب سے پہلے سد باب کریں جو اختلافات ونزاع کے جراثیم پیدا کر کے وحدت امت کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ ان کے ظاہر و باطن پر پڑے ہوئے غلاف ضلالت کو اُٹھایا جا سکتا ہے۔

فریضۂ اقامتِ دین

مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب کی یہ تصنیف ''فریضۂ اقامتِ دین'' کے سلسلہ

میں اٹھنے والے تقریباً تمام ہی سوالات کے مدلل جوابات کی حامل ہے۔

مولانا مسلمانوں کے مذہبی اور دیندار حلقوں میں پائے جانے والے پانچ گروہوں کا خصوصیت سے ذکر کرتے ہیں اور ان کے فلسفوں کا بڑی کامیابی کے ساتھ تجزیہ کرتے ہیں۔

پہلا گروہ کہتا ہے کہ اقامت دین کی راہ آج بھی بند نہیں اور خدا جنہیں توفیق دے رہا ہے وہ اس پر عمل کر رہے ہیں مگر اس سے ان کی مراد زیادہ تر انفرادی عمل سے ہے اور اجتماعی اعمال کے بارے میں صرف تذکیر کو کافی سمجھتے ہیں۔ رہ گیا اس کے عملی نفاذ کے لئے جدوجہد کا تعلق تو وہ اسے اپنی ذمہ داری میں نہیں سمجھتے وہ کہتے ہیں کہ یہ ذمہ داری اسلامی حکومت کی ہے اور وہ اب قائم نہیں ہے اور اس کے سبب جو خلا مسلمانوں کی زندگی میں پایا جاتا ہے وہ اضطرار کی تعریف میں آتا ہے اور اضطرار میں تو ناجائز کام بھی مباح ہو جاتے ہیں۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ بلا شبہ ملت اسلامیہ کا مقصد وجود اقامت دین ہی ہے مگر موجودہ ناسازگار حالات میں اس نصب العین کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں اس لئے اس کی خاطر جدوجہد کرنا وقت اور صلاحیتوں کا ضیاع ہے۔

تیسرا گروہ کہتا ہے کہ اس نصب العین کے برحق ہونے میں کوئی کلام نہیں مگر اس کیلئے صدیق وفاروق درکار ہیں ہم جیسے لوگوں کا دم خم دکھلانا تقدیر سے لڑنا ہے۔

چوتھا گروہ کہتا ہے کہ کام کی کوئی نئی راہ کھلے اور کوئی قافلہ اس پر کامیاب گامزنی کا مظاہرہ کرلے تو ہم بھی اٹھ کھڑے ہوں گے۔

پانچواں گروہ حضرت امام مہدیؒ کے آنے کا منتظر بیٹھا ہے۔ اسے بھی نصب العین برحق ہونے سے اختلاف نہیں یہ گروہ سمجھتا ہے کہ اس کام کیلئے اللہ نے امام مہدیؒ کو بھیجنے کا وعدہ کرلیا ہے اور وہی آئیں گے تو یہ مہم چلے گی۔

بدقسمتی سے اب اس صف میں وہ بھی شامل ہو گئے ہیں جنھوں نے برسہا برس تحریک اسلامی کی رہنمائی کی ہے اور سمجھتے ہیں کہ بس ہمارا امام مہدیؒ کے آنے تک اس نعرہ کو زندہ رکھنا ہی بڑا کام ہے۔

مولانا نے ترتیب وار ہر گروہ کے خیالات کو کتاب وسنت کی میزان پر تول کر دکھلایا

ہے کہ ان کا صحیح وزن کیا ہے۔ اس لحاظ سے مولانا کی یہ کتاب اس موضوع پر دوسرے حضرات کی تحریر کردہ کتابوں سے مختلف ہے اور اس قابل ہے کہ اس کا مطالعہ کیا جائے۔

دین کا قرآنی تصور

مولانا نے اپنی اس کتاب میں دین کے اس بنیادی تصور سے بحث کی ہے جو حقیقت میں قرآن پیش کرتا ہے اور اس تصور کی نفی کی ہے جو لوگوں نے دوسرے نظریات کی آمیزش سے دین کے متعلق اختیار کر لئے ہیں۔ بنیادی طور پر مولانا موصوف نے اس امر کا جائزہ لیا ہے کہ خدا کو ایک جاننے والے گروہوں کے کیا کیا تصورات رہے ہیں اور اس کے اور انسان کے درمیان اصل تعلق کیا کیا متعین کیا گیا ہے؟

یہ جائزہ بتاتا ہے کہ خدا کو ایک ماننے والے گروہوں کے ذہن میں اس کے دو تصور رہے ہیں۔

ایک تو یہ کہ خدا ساری اچھی جمالی اور جلالی صفات سے کمال کی حد تک متصف ہے اور چونکہ انسان اس کا پیدا کیا ہوا اور پروردہ ہے اور اس کا سب کچھ اسی کا عطا کیا ہوا ہے اس کا نفع و نقصان، خوش کامی و بدانجامی اور زندگی اور موت، دنیا اور آخرت سب کچھ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے انسان کی اصل حیثیت یہ ہے کہ وہ اس کا پیدائشی محکوم، مملوک اور غلام ہے اور خدا اور انسان کی ان مقابل حیثیتوں کا مشترک تقاضا اور مجموعی فیصلہ یہ ہے کہ ان کے درمیان اصل لیکن آقائے کل اور غلام وفاشعار کا، مطاع مطلق اور مطیع کامل کا تعلق ہے۔ دوسری کوئی حیثیت اصل کے لوازم میں سے تو ہو سکتی ہے مگر اصل تعلق نہیں ہو سکتی۔

دوسرا تصور یہ ہے کہ اگرچہ خدا ہر طرح کی صفات کمال سے متصف ہے مگر انسان کے تعلق سے اس کا حسن مطلق ہونا ہی اصل اہمیت کا حامل ہے اس لئے خدا کی حیثیت مطلوب حقیقی اور معشوق مطلق کی ہے اس مقابلے میں انسان کی حیثیت اس کے طالب صادق اور عاشق محض کی ہے۔ اور ان مقابل حیثیتوں کا مشترک تقاضا اور مجموعی فیصلہ یہ ہے کہ دونوں کے درمیان اصل تعلق معشوق حقیقی اور عاشق صادق کا ہے اور کوئی نہیں۔

پہلے تصور کی بنا پر دین کا بنیادی تصور ”خدا کی مکمل اطاعت اور والہانہ اطاعت“ کا قرار پاتا ہے اور دوسرے تصور کی رو سے خدا کے ”مکمل اور سچے عشق کا“۔

تفصیلات میں مولانا نے جو دلائل دیے ہیں ان کا ایک ایک لفظ پڑھنے کے قابل ہے وقت کی کمی ان کے اعادے کی اجازت نہیں دیتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن نے جہاں بھی خدا پرستی کا کوئی جامع حکم دیا ہے وہاں بھی اللہ کی اطاعت ہی کا لفظ یا اس کے قریب المعنی لفظوں، عبادت، اتقاء اور اتباع وحی و رسالت وغیرہ الفاظ میں سے کوئی لفظ استعمال کیا ہے چھ ساڑھے چھ ہزار آیتوں میں سے کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں جسمیں عشق الٰہی کا حکم دیا گیا ہو یا اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اہل ایمان اپنے دلوں میں عشق الٰہی کیوں نہیں رکھتے۔

دراصل مطلوب محبت الٰہی ہے نہ کہ عشق الٰہی اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک ہوش اور اطاعت پر مبنی ہے اور دوسرا اپنے محبوب و مطلوب کو پالینے کیلئے ہر حد سے تجاوز اور اس میں مدغم ہو جانے کا تقاضہ کرتا ہے۔ اور جن لوگوں نے تاریخ انسان یا تاریخ مذاہب میں عشق الٰہی کو دین کی اصل قرار دیا ہے ان کا تعامل اور طریق زندگی اسی کی شہادت دیتا ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ محبت الٰہی اور اطاعت الٰہی انسان کو اجتماعیت کی طرف لاتی ہے جبکہ عشق الٰہی اور وصال الٰہی انسان کو اجتماعیت سے فرار اور انفرادیت کا اسیر بنا دیتی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ محبت الٰہی و طاعت الٰہی انسان کے اندر توازن اور اعتدال پیدا کرتے ہیں جبکہ عشق کے غلبہ سے توازن اور اعتدال پسندی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ چوتھی بات یہ کہ محبت اور اطاعت اس کو چند اصولوں کا پابند بناتی ہے۔ جبکہ عشق آداب و رسوم اور ضوابط کی پابندیوں کو توڑ دیتا ہے۔

سب سے بڑا ثبوت قرآنی تصور دین کے بارے میں یہ ہے کہ اللہ فرماتا ہے ان الدین عند اللہ الاسلام ۔ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ اور عشق الٰہی پر مبنی تصور دین وحدت ادیان کی طرف لے جاتا ہے۔ جس کا سلسلہ اشراقیت کے دور سے

اب تک جاری ہے اور ہمارے دور میں گرونانک اور کبیر ہندی کے نظریات تعلیمات اسی کا نتیجہ ہیں اور اہل تصوف کی بے اعتدالیاں بھی اسی کا سبب ہیں۔

اساس دین کی تعمیر

ایک مسلمان کی تربیت اور تعمیر سیرت کیلئے ایک بہترین اور قیمتی کتاب ہے مولانا موصوفؒ کے اپنے الفاظ میں دین کی اصل قدر شناسی نہ تو اس کے فضائل گنانے کا نام ہے نہ اپنے ذوق سے اس کی صورت گڑھنے اور اپنے اجتہاد سے اس کی راہ ومنزل متعین کرنے کا۔ بلکہ اس کی اصل قدر شناسی یہ ہے کہ اس کو اس کی اپنی شکل میں دیکھا جائے اور پھر اس سے حقیقی لگاؤ پیدا کیا جائے۔ فکری، عملی، جذباتی غرض ہر طرح کا لگاؤ۔۔ ایسا لگاؤ کہ وہی زندگی کا تنہا رہنما ہو۔

اس لگاؤ کے پیدا کرنے کا مسئلہ بھی بڑی زبردست اہمیتوں کا مالک ہے نظری اور قولی طور پر تو یہی کہا جاتا ہے اور بجا کہا جاتا ہے کہ اس مسئلے کا حل کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور اسوۂ صحابہ ہی سے معلوم کیا جا سکتا ہے مگر جب سے ہمارے دین افکار اور اعمال پر انحطاط شروع ہوا ہے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلے کے عملی حل کی بنیاد میں بھی بالکل صحیح اور خالص نہیں رہ گئی ہیں اور اس کمزوری کے سبب اصل ماخذ سے بہت سی ضروری باتیں لینے سے رہ گئی ہیں اور کتنی ہی غیر ضروری باتیں تقاضائے دین بنا دی گئی ہیں۔

مولانا موصوف نے پوری پوری شعوری کوشش کی ہے کہ اس مسئلہ میں خالص کتاب وسنت کو دلیل کی راہ بنایا جائے۔

معرکۂ اسلام وجاہلیت

مولانا موصوف کی تصنیفی زندگی کے ابتدائی دور کی دوسری کتاب ''معرکۂ اسلام وجاہلیت'' ہے اس وقت مولانا دارالاسلام پٹھان کوٹ میں مولانا مودودی کی رفاقت میں وقت گزار رہے تھے۔ اسی وقت مولانا مودودی کا مقالہ اسلام اور جاہلیت شائع ہوا تھا معرکۂ اسلام وجاہلیت کے عنوان سے میں نے یہ سمجھا کہ یہ مقالہ مودودی صاحب کے مقالہ کی

تشریح وتوضیح میں لکھا گیا ہے مگر جب مطالعہ کیا تو پتہ چلا کہ یہ ایک مستقل اور علیحدہ تصنیف ہے مولانا مودودیؒ نے اپنے مقالہ میں رہبانیت، مشرکانہ روایت سیکولرزم اور اسلام کے اس کائنات، انسان اور ان سے متعلق نظریات اور مسائل کے حل کے موضوع پر گفتگو فرمائی ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ ان سے متعلق تمام سوالات اور مسائل کا معقول اور مدلل اور مبنی بر حق جواب صرف اسلام دیتا ہے۔ مگر مولانا صدرالدین اصلاحی نے پوری تاریخ انسان میں غیر اسلامی نظریات وافکار اور اسلامی نظریات کے درمیان برپا نظری وعملی کشمکش کو واضح کیا ہے اور ان اسباب وعلل پر مدلل ومفصل بحث کی ہے جو دین ومذہب کے بارے میں آدمی کی عقل اور اس کی خیر پسند فطرت پر پردے ڈالتے ہیں اس سلسلہ میں وہ تین اسباب کو خصوصیت سے واضح کرتے ہیں۔

۱- آدمی کا اپنی جبلی ضرورتوں اور خواہشوں کا اسیر ہو جانا۔

۲- قومی تعصب، باپ دادا کی اندھی تقلید، موروثی عقائد افکار اور رسوم ورواج سے گہری وابستگی اور

۳- فکر ونظر کی غیر سنجیدگی، خامی اور کجی۔

انہی اسباب کو امام شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں حجاب طبع یا حجاب نفس، حجاب رسم اور حجاب سوء معرفت سے تعبیر کیا ہے۔

اس سلسلہ میں مولانا موصوف مذاہب اور انبیاء کی دعوتی تاریخ سے ٹھوس شہادتیں پیش کرتے ہیں بلکہ اسلام اور جدید تہذیب کی کشمکش کے اہم پہلوؤں کو بھی اجاگر کرتے ہیں۔ اختصار کے طور پر حضور ﷺ کی مشہور حدیث بدء الاسلام غریباً وسیعود غریباً کما بدء فطوبیٰ للغرباء اسلام غربت واجنبیت کی حالت میں شروع ہوا تھا اور وہ غربت واجنبیت کی حالت میں پھر اسی طرح لوٹ جائے گا جس طرح شروع میں تھا پس مبارک ہو غرباء کیلئے، کو بنیاد بتاتے ہیں۔ چنانچہ اس تغیر کا آغاز نبی صلعم کی وفات کے بعد سے شروع ہو گیا تھا اور اس کی رفتار اتنی تیز رہی کہ مختصر مدت میں صحابہ کرامؓ کی بڑی تعداد کی موجودگی میں ہی مسلم معاشرہ کہیں سے کہیں پہنچ گیا۔ جاہلیت کی یہ واپسی یا اس کا حملہ ایک

طرف سے نہیں بلکہ مختلف محاذوں سے تھا۔ مولانا اس بحث میں چھ اہم محاذ بتاتے ہیں۔ ۱-عقیدۂ ختم نبوت پر حملہ ۲-شرک فی النبوۃ کا محاذ ۳-غیر اسلامی تصوف کا رواج، ۴-وحدت ادیان کے نظریہ کو فروغ (آج کے دور میں اسکی پشت پناہی سیکولرزم شد و مد سے کر رہا ہے) ۵-رسالت محمدی کے مقام و مقصد کی تنقیص اور کم قدری کا محاذ (جس کے سب سے بڑے علمبردار آج منکرین حدیث ہیں) ۶-چھٹا محاذ جاہلیت نے قرآن کے اعجازی اور اس کی صداقت اور اس کی محفوظیت کے خلاف قائم کر دیا ہے۔ یہ ہیں وہ بڑے چھ محاذ جنہیں جاہلیت نے نبوت محمدی کے خلاف قائم کیا ہے اور ان میں سے کسی محاذ پر بھی اسکی کامیابی معمولی نہیں ہے۔ یہ اس کی کامیابیوں کا کرشمہ ہے کہ حضرت سرور عالم ﷺ کی شان میں قصیدے پڑھنے والے کروڑوں ملتے ہیں مگر آپ کے اتباع کا حق ادا کرنے والے بہت تھوڑے دکھائی دیتے ہیں۔

آپ کی ذات اقدسؐ سے جذباتی محبت اور عقیدت کا دائرہ بہت وسیع ہے مگر آپ کی صمیم اور کامل اتباع کا حال اچھا نہیں ہے۔ اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ لوگوں کے ذہن عام طور سے مقام محمدیؐ کے اچھی طرح شناسا نہیں رہ گئے ہیں اور آپ کے حقیقی منصب پر ان کے لئے کم و بیش اجنبیت کا دھندلکا چھا گیا ہے۔ یہ تفصیل تو عقیدۂ نبوت پر جاہلی حملہ کی تھی۔ اس کے بعد مولانا عقیدۂ توحید پر، عقیدۂ آخرت پر، دین کی اقدامی روح پر، وحدت پر، نظام خلافت پر، کلمۂ حق کہنے کی آزادی پر، دین اور عبادت کے جامع تصور پر، بدعتوں کی مقبولیت پر، دین کے ماخذ اور شریعت کے احکام کی اہمیتوں کی ترتیب پر، احکام کی مخلصانہ پیروی پر، جاہلیت کے بھرپور حملوں کی تفصیلات بیان کرتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ آج اہل حق سراپا غربت کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ حضرت سرور عالم ﷺ کی اشارات کو دہراتے ہیں کہ فطوبیٰ للغربا۔ پس مبارک ہے غربت والوں کیلئے اور امید کی کرن دکھاتے ہیں کہ اب فی الواقع حالات اتنے بھی سخت نہیں ہیں جتنا بظاہر نظر آتے ہیں۔ جاہلیت کا زور اپنی انتہا کو پہنچتے پہنچتے کسی قدر ٹوٹنے لگا ہے۔ اب صرف وہی روحانی نظریہ حیات قابل قبول وقابل عمل ہوگا جو زندگی کے مسائل کو حل کرنے میں علم اور سائنس سے [illegible]

صلاحیت رکھتا ہے اور اس کی رہنمائی اور نگرانی بھی کر سکتا ہے۔ اور وہ روحانی نظریہ و لائحۂ عمل صرف اور صرف اسلام ہے۔ پھر کتاب کی آخری دو سطروں میں آواز دیتے ہیں۔ اگر ہمیں اسلام میں اور اس کے ذیل میں واقعی یقین ہے تو سارے اندیشوں سے بے پرواہ ہو کر غربائے اسلام کے بڑھتے ہوئے کارواں میں شامل ہو جانا چاہیئے۔ دیکھئے کل قیامت کے دن کس کس کا نام خدا کے حضور غرباء کی فہرست میں لکھا ملتا ہے۔

حقیقت نفاق

مولانا امین احسن اصلاحیؒ صاحب مرحوم نے ایک زمانے میں حقیقتوں کا ڈھیر لگا دیا تھا حقیقت شرک، حقیقت توحید، حقیقت تقویٰ، حقیقت نماز وغیرہ لیکن ان سب سے بہت پہلے دارالاسلام کے دوران قیام میں مولانا صدرالدین اصلاحی نے ''حقیقت نفاق'' کے نام سے اس دور میں ساری امت مسلمہ پر چھائی ہوئی عالمگیر کمزوری کی حقیقت سے پردہ اٹھایا۔

اور اس سلسلے میں تقریباً جتنے بھی علمی اور عملی سوالات پیدا ہوتے ہیں ان کا احاطہ کیا ہے اور مدلل جوابات دیئے ہیں۔ مگر اس معاملے میں انداز بیان قطعاً فقہی اور قانونی احکام بیان کرنے کی نہیں رکھا ہے بلکہ کوشش کی ہے کہ بیماری کے تمام گوشوں کو نمایاں کرتے ہوئے قاری کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے کہ اس کتاب کے لکھنے اور پڑھنے کا اصل مقصد یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کی کمزوریوں کی بنا پر ان پر منافق ہونے کا فتویٰ لگایا جائے بلکہ کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ ہر ایک اپنے نفس، اپنی فکر اور اپنے عمل کا بے لاگ جائزہ لے کر دیکھے کہ اس میں اس بیماری کے جراثیم کس حد تک پائے جاتے ہیں اور ان سے اپنے آپ کو پاک کرنے کی کوشش کرے۔

ان چھ کتب کے علاوہ ''اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ'' کے نام سے آپ نے امام شاہ ولی اللہؒ کی تصنیف ''الانصاف فی بیان سبب الاختلاف'' کی سلیس اور واضح ترجمانی پر مبنی کتاب لکھی جسے کافی قبول عام حاصل ہوا۔ اس طرح ''اسلام ایک نظر میں'' نامی کتاب نہایت آسان انداز میں ان لوگوں کیلئے لکھی جو ایک ہی کتاب کے ذریعہ اسلام کے جملہ پہلوؤں سے تسلی بخش طریقے پر واقف ہونا اور زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں اس کا انداز بھی نہایت شگفتہ اور داعیانہ جذبات سے مملو ہے۔ ۹-''تحریک

اسلامی ہند" نامی کتاب اگرچہ صرف ہندوستان کی تحریک اسلامی سے متعلق معلوم ہوتی ہے مگر اس میں درج شدہ حقائق پوری دنیا میں اٹھنے والی اسلامی تحریک کے واضح تعارف پر مبنی ہے۔ یہ کتاب تحریک کے تقریباً ہر بنیادی مسئلہ کو واضح روشنی میں لے آتی ہے۔ خصوصاً تحریک کے نقشہ کار سے متعلق بحث خصوصی اہمیت کی حامل ہے جس میں انبیائی دعوتوں کے نقشہ ہائے کار کو اہل شرک وکفر کے درمیان، اہل کتاب وشریعت کے درمیان بیک وقت اہل کفر اہل کتاب دونوں گروہوں کے درمیان وضاحت کیساتھ بیان کیا گیا ہے اور آخر میں نبی کریم ﷺ کے طریق کار کی بھی اس زمانے کے گروہوں کے تعلق سے عرب اور عرب کے باہر کی قوموں کے تعلق سے وضاحت کی گئی ہے۔

حقیقت میں ضرورت اس بات کی ہے کہ مولانا موصوف کی کتب کو پھر سے مارکیٹ میں لایا جائے اور کارکنان تحریک اسلامی تمام مسلمانوں کے ساتھ ساتھ علماء کرام کو خصوصیت کے ساتھ ان کے مطالعہ پر آمادہ کریں۔

"عمل کا زوال اگر زیادہ عرصہ تک باقی رہ جائے تو وہ صرف عمل ہی کا زوال نہیں رہ جاتا بلکہ پہلے جذبات واحساسات کا اور پھر افکار وتصورات کا بھی زوال بن جاتا ہے۔" (مولانا صدرالدین اصلاحیؒ)

یکے از ہمدرد

HAJI MOHD. QAISAR
BURNALA INDUSTRIES
MEERUT ROAD
MUZAFFARNAGAR (U.P.)

"البیان" (قلمی میگزین) ایک نظر میں

ابوصادق کوثر فلاحی
جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ (یو۔پی)

بہت مشہور مقولہ ہے "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" مولانا صدرالدین اصلاحی کے بچپن ہی میں ان کی عبقریت، صلاحیت اور جوہر کو دیکھ کر اس زمانے کے اکابرین نے بھانپ لیا تھا کہ یہ میدان تحریر کا شہسوار ہوگا اور گراں قدر خدمات انجام دے گا۔ چنانچہ تاریخ کے اوراق میں ایسی کتنی شہادتیں موجود ہیں اللہ ہی کو معلوم ہے۔ سردست ایک شہادت جو مولانا ہی کے مرتب کردہ قلمی میگزین "البیان" اکتوبر ۱۹۳۵ء کے شمارے کے پہلے صفحہ پر موجود ہے ملاحظہ فرمائیں۔ یہ شہادت جناب حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ندویؒ مصنف "اسوۂ صحابہ" و "شعر الہند" کی ہے جو انھوں نے اس قلمی میگزین کو دیکھنے کے بعد بطور تاثر تحریر فرمائے تھے۔

"مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کے طلبہ موجودہ زمانے کے مطابق تحریر وتقریر کا خاص ملکہ رکھتے ہیں یہ قلمی رسالہ جس کے مدیر مولوی صدرالدین اصلاحی بابائی سعد ہیں اس کی نہایت واضح مثال ہیں یہ ابھی درجہ ششم (عربی) کے طالب العلم ہیں اور مضامین کے لکھنے کی مشق صرف چند ہی مہینے سے کی ہے۔ لیکن بایں ہمہ وہ اس میدان میں توقع سے زیادہ کامیاب ہیں اور یقین ہے کہ آئندہ اور بھی کامیابی حاصل کریں گے ایسے طالب العلم لائق قدر ہیں انشاء پردازی کے علاوہ اخلاقی حیثیت سے بھی ان کی یہ اولوالعزمی قابل داد ہے کہ باوجود تعلیم کی مشغولیت کے اتنے بڑے پرچے کے نکالنے کی ذمہ داری اپنے سر لی ہے امید ہے کہ میں آئندہ کے پرچوں کے متعلق اس سے زیادہ عمدہ اور مفصل رائے قائم کرسکوں گا"۔

"عبدالسلام، شبلی منزل، اعظم گڑھ"

"البیان" قلمی میگزین مولانا کی ابتدائی تحریری کاوش ہے جس پر یہ تاثر سامنے آیا

تھا الحمد للہ "البیان" کا وہ شمارہ اور اس کے علاوہ مزید سات شمارے جو سال بھر کے اندر مولانا کی کوششوں سے منظر عام پر آتے تھے آج بھی دار المعلومات مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہیں جس کا نمبر ۲۸/۹ ہے ان کے مطالعہ سے جہاں مولانا کی محنت ولگن کا اندازہ ہوتا ہے کہ ہر ماہ پابندی سے نکالتے رہے وہیں مولانا کے رجحان اور کوششوں کے رخ کا بھی پتہ چلتا ہے اس بات کا بھی انکشاف ہوتا ہے کہ ابتداء" آپ ابوسعد کنیت رکھتے تھے ان شماروں میں مولانا کے نوک قلم سے جو مضامین سامنے آئے تھے ان کی ایک جھلک دی جارہی ہے تاکہ ان جواہر پاروں سے بھی واقفیت ہوسکے۔

مارچ ۱۹۳۵ء

شذرات — ص ۱-۴

امام لغت علامہ ابن درید (۱) — ص ۱۵-۲۲

اپریل ۱۹۳۵ء

شذرات

امام لغت علامہ ابن درید (۲)

الامر بالمعروف والنھی عن المنکر (۱)

مئی ۱۹۳۵ء

شذرات

جون وجولائی ۱۹۳۵ء

شذرات

الامر بالمعروف والنھی عن المنکر (۲)

اگست ۱۹۳۵ء

شذرات — ص ۲-۵

الامر بالمعروف والنھی عن المنکر (۳)

ستمبر ۱۹۳۵ء

شذرات — ص ۲-۵

استفسارات

اکتوبر ۱۹۳۵ء

شذرات — ص ۲-۴

استفسارات — ص ۱۶-۱۸

نومبر ودسمبر ۱۹۳۵ء

شذرات — ص ۳-۶

استفسارات — ص ۱۰-۱۲

ان میں شذرات تو حالات حاضرہ پر ہوتے تھے اور استفسارات عموماً علوم قرآنی پر مشتمل ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ آپ نے سیر وسوانح اور دعوت وتبلیغ کے عناوین پر بھی قلم اٹھایا تھا۔ اس میگزین کے خاص لکھنے والوں میں مولانا محمد ایوب صاحب اصلاحی جیراجپوری بھی تھے جن کے مضامین تقریباً ہر شمارے میں ہیں۔ بعد میں آپ کے نوک قلم سے بھی متعدد تصانیف سامنے آئیں۔ مثلاً عورت تہذیب کے دوراہے پر، تعلیم النحو اول دوم وغیرہ

ضرورت ہے کہ ان مضامین کو خواص وعوام کے استفادے کے لئے منظر عام پر لایا جائے۔ اللہ اہل ظرف کو اس کی توفیق ارزانی کرے۔ آمین!

مولانا کے مضامین جو "الحسنات" رامپور میں شائع ہوئے

نمبر شمار	مضامین	جلد	شمارہ	ماہ وسال	صفحات
۱-	قریش اور یہود مدینہ۔ بعثت محمدیؐ سے پہلے اور اس کے بعد سیرت عمرؓ	۱۱	۱-۲	جنوری وفروری ۱۹۵۵ء	۲۶-۳۲
۲-	خدا ایک ہے	۱۷	۸	اپریل ۱۹۵۵ء	۹-۱۰
۳-	شریعت اور عبادت	۳۷/۳۸	۱-۱۳،۱	جنوری ۱۹۶۶ء	۳۱-۵۲
۴-	ذمہ داری کا احساس (ہندی ترجمہ قرآن کے ساتھ درج کیونکہ اسی کی اشاعت کی مناسبت کے لحاظ سے تحریر کیا گیا تھا۔)	۳۹	۸	اپریل ۱۹۶۶ء	۱۳-۱۶

مرکزی مکتبہ اسلامی ہند

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ کے قلم سے

امامت کبریٰ اور مسلمان	20.00
تلخیص تفہیم القرآن	200.00
معرکۂ اسلام وجاہلیت	25.00
اسلام اور اجتماعیت	20.00
قرآن مجید کا تعارف	25.00
دین کا قرآنی تصور	60.00
تحریک اسلامی ہند	18.00
اسلام ایک نظر میں	35.00
راہ حق کے مہلک خطرے	4.50
فریضہ اقامت دین	22.00
نکاح کے اسلامی قوانین	16.00
حقیقت نفاق	9.00
اساس دین کی تعمیر	40.00
اسلامی نظام معیشت	4.00
مسلم پرسنل لا دینی وملی نقطۂ نگاہ سے	1.50
مسلمان اور دعوت اسلام	2.50
یکساں سول کوڈ اور مسلمان	6.00
دین کا مطالعہ	3.00
اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ	15.00

اردو وانگریزی فہرست کتب کے لئے رابطہ قائم کریں۔

D-307, DAWAT NAGAR, ABUL FAZAL ENCLAVE, JAMIA NAGAR,
OKHLA, NEW DELHI - 110025 PHONE : 6911652

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ کی تحریریں جو ''ترجمان القرآن'' میں شائع ہوئیں

مرتب: ابوعبدالرحمن عمار فلاحی
جامعۃ الفلاح بلریا گنج، اعظم گڑھ (یو۔ پی)

نمبر شمار	عناوین	جلد	شمارہ	ماہ وسال	صفحات
	مقالات				
۱	نکاح کتابیہ	۱۰	۱	محرم الحرام ۱۳۵۶ھ	۱۵-۴۷
۲	مسلمان اور امامت کبریٰ (۱)	۱۰	۵	جمادی الاولیٰ ۱۳۵۶ھ	۴۷-۵۹
	مسلمان اور امامت کبریٰ (۲)	۱۰-۱۱	۶-۱	جمادی الاخریٰ ورجب ۱۳۵۶ھ	۱۵-۳۱
	مسلمان اور امامت کبریٰ (۳)	۱۱	۲	شعبان ۱۳۵۶ھ	۳۹-۶۷
۳	معرکۂ اسلام وجاہلیت (۱)	۱۲	۲	اپریل ۱۹۳۸ء	۳۳-۵۲
	معرکۂ اسلام وجاہلیت (۲)	۱۲	۳	مئی ۱۹۳۸ء	۲۵-۴۱
	معرکۂ اسلام وجاہلیت (۳)	۱۲	۴	جون ۱۹۳۸ء	۲۵-۶۳
	معرکۂ اسلام وجاہلیت (۴)	۱۲	۵	جولائی ۱۹۳۸ء	۳۷-۵۱
	معرکۂ اسلام وجاہلیت (۵)	۱۲	۶	اگست ۱۹۳۸ء	۳۷-۵۹
	معرکۂ اسلام وجاہلیت (۶)	۱۳	۱	ستمبر ۱۹۳۸ء	۳۸-۵۸
۴	اسلام اور وطنیت (۱)	۱۳	۶	فروری ۱۹۳۹ء	۳۸-۴۹
	اسلام اور وطنیت (۲)	۱۴	۱	مارچ ۱۹۳۹ء	۵۹-۶۷
	اسلام اور وطنیت (۳)	۱۴	۲	اپریل ۱۹۳۹ء	۲۵-۳۳
۵	حقیقت نفاق (۱)	۱۴	۴	جون ۱۹۳۹ء	
	حقیقت نفاق (۲)	۱۴	۵	جولائی ۱۹۳۹ء	۲۹-۴۳
	حقیقت نفاق (۳)	۱۴	۶	اگست ۱۹۳۹ء	۳۳-۶۰
	حقیقت نفاق (۴)	۱۵	۱	ستمبر ۱۹۳۹ء	۳۳-۵۸
	حقیقت نفاق (۵)	۱۵	۲	اکتوبر ۱۹۳۹ء	۳۳-۵۸

	حقیقت نفاق (۶)	۱۵	۳	نومبر ۱۹۳۹ء	۲۸-۳۰
	تراجم				
۶	تقلید شخصی کے شرعی حدود (فتاویٰ ابن تیمیہ سے)	۱۲	۲	اپریل ۱۹۳۸ء	۱۸-۳۳
۷	چوتھی صدی ہجری کا فقہی و مذہبی انقلاب	۱۲	۳	مئی ۱۹۳۸ء	۱۸-۲۳
	از افادات شاہ ولی اللہؒ (حجۃ اللہ البالغہ سے)				
	اختلافی مسائل اوران کا نقطۂ عدل (۱)				
۸	اختلافی مسائل اوران کا نقطۂ عدل (۲)	۱۲	۴	جون ۱۹۳۸ء	۱۷-۲۷
	اختلافی مسائل اوران کا نقطۂ عدل (۳)	۱۲	۵	جولائی ۱۹۳۸ء	۲۶-۳۵
	از افادات شاہ ولی اللہؒ (حجۃ اللہ البالغہ سے)	۱۲	۶	اگست ۱۹۳۸ء	۱۷-۲۳
	دین میں تحریف اور بدعت کے اسباب				
۹	از افادات شاہ ولی اللہؒ (حجۃ اللہ البالغہ سے)	۱۳	۵	جنوری ۱۹۳۹ء	۱۳-۲۰
	اسلام کا فلسفۂ عمران				
۱۰	از افادات شاہ ولی اللہؒ (حجۃ اللہ البالغہ سے)	۱۳	۳	اپریل ۱۹۳۹ء	۱۳-۲۳
	اسلامی قانون معیشت، اسکی روح اور اسکے اصول				
۱۱	از افادات شاہ ولی اللہؒ (حجۃ اللہ البالغہ سے ابواب	۱۳	۳	مئی ۱۹۳۹ء	۳۱-۵۳
	ابتغاء الرزق)				
	مطبوعات				
	(کتابوں کا تعارف اوران پر تبصرے)				
۱۲	تفسیر سورۂ فیل	۱۲	۱	مارچ ۱۹۳۸ء	۷۶
	تفسیر سورۂ کافرون	۱۲	۱	مارچ ۱۹۳۸ء	۷۶-۷۷
	تفسیر سورۂ والعصر	۱۲	۱	مارچ ۱۹۳۸ء	۷۶-۷۷
	از حمید الدین فراہیؒ ترجمہ امین احسن اصلاحی				
۱۳	جنت کی کنجی از مولانا احمد سعیدؒ	۱۲	۱	مارچ ۱۹۳۸ء	۷۸-۷۹
۱۴	مختصر تاریخ ہند مولوی سید ابوظفر صاحب ندوی	۱۲	۱	مارچ ۱۹۳۸ء	۷۹-۸۰
۱۵	پریم اور شانتی کا مذہب از غلام احمد پرویز	۱۲	۲	اپریل ۱۹۳۸ء	۷۱-۷۳
۱۶	"طلوع اسلام" حکیم ذکی اللہ خان	۱۲	۲	اپریل ۱۹۳۸ء	۷۳-۷۴

۱۷	سالنامہ "پیام تعلیم"	۱۲	۲	اپریل ۱۹۳۸ء	۷۴-۷۵
	مرتبہ محمد حسین خان ندوی جامعی				
۱۸	قرآن پاک کیا ہے اور اس نے کیا کر دکھایا؟	۱۲	۲	اپریل ۱۹۳۸ء	۷۵-۷۶
	از مولوی عبدالواحد صاحب سندھی				
۱۹	بچوں کے لئے جامعہ ملیہ کی کتابیں	۱۲	۲	اپریل ۱۹۳۸ء	۷۶
۲۰	قلعہ معلی کی جھلکیاں عرش تیموری	۱۲	۲	اپریل ۱۹۳۸ء	۷۶-۷۷
۲۱	ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں	۱۲	۲	اپریل ۱۹۳۸ء	۷۷-۷۸
	از مولانا ابوالحسنات صاحب ندوی				
۲۲	مجاہد ہند از محمد اسحٰق حنیف	۱۲	۲	اپریل ۱۹۳۸ء	۸۷-۷۹
۲۳	مرآۃ الرسوم، ترغیب الصلوٰۃ	۱۲	۲	اپریل ۱۹۳۸ء	۷۹
	امانت اور عہد، ابوہریرہؓ از غلام رسولؒ				
۲۴	الارشاد - مرتبہ حاجی بشیر احمدؒ	۱۲	۳	مئی ۱۹۳۸ء	۷۹
۲۵	خالد - مرتبہ مولوی سید احمدؒ	۱۲	۳	مئی ۱۹۳۸ء	۷۹-۸۰
۲۶	الادب - مرتبہ مولوی ضیاء النبی عباسی	۱۲	۳	مئی ۱۹۳۸ء	۸۰
۲۷	مظلوم قوم از مسلم بی، اے	۱۲	۴	جون ۱۹۳۸ء	۷۳-۷۵
۲۸	مقروض قوم از مسلم بی، اے	۱۲	۴	جون ۱۹۳۸ء	۷۵-۷۶
۲۹	معین المنطق از مفتی محمود حسن	۱۲	۴	جون ۱۹۳۸ء	۷۸-۷۹
۳۰	تعلیم دینیات اول و دوم از مولوی ایم اے شبیر	۱۲	۴	جون ۱۹۳۸ء	۷۹-۸۰
۳۱	امثال آصف الحکیم از حمید الدین فراہیؒ	۱۲	۴	جون ۱۹۳۸ء	۸۰
۳۲	سلطان العلوم مرتبہ مولوی شفیق احمد صدیقی	۱۲	۴	جون ۱۹۳۸ء	۸۰
۳۳	مقالات شبلیؒ چہارم، پنجم، ششم، ہفتم	۱۳	۵	جنوری ۱۹۳۹ء	۷۳-۷۵
	از مولانا شبلی نعمانی				
۳۴	قادیانی مذہب از صلاح الدین محمد الیاس برنی	۱۳	۵	جنوری ۱۹۳۹ء	۷۵-۷۶
۳۵	قادیانی قول و فعل از صلاح الدین محمد الیاس برنی	۱۳	۵	جنوری ۱۹۳۹ء	۷۶-۷۷
۳۶	ترجمان مرتبہ سید معین الدین	۱۳	۵	جنوری ۱۹۳۹ء	۷۷-۷۸
۳۷	قائد مرتبہ مولوی اختر الاسلام قاسمی	۱۳	۵	جنوری ۱۹۳۹ء	۷۸

۳۸	فردوس مرتبہ حبیب اشعری	۱۴	۵	جنوری ۱۹۳۹ء	۷۸-۷۹
۳۹	کانگریس یا مسلم لیگ از حکیم انصاری	۱۴	۵	جنوری ۱۹۳۹ء	۷۹
۴۰	آزادی کی جنگ از عبدالوحید خان	۱۴	۵	جنوری ۱۹۳۹ء	۷۹-۸۰
۴۱	زبدۃ السیر والنبوۃ از عمادالدین انصاری	۱۴	۵	جنوری ۱۹۳۹ء	۸۰
۴۲	الفلاح مرتبہ مولوی منیر احمد	۱۴	۴	اپریل ۱۹۳۹ء	۷۸
۴۳	انیس نسواں مرتبہ شیخ محمد اکرام	۱۴	۴	اپریل ۱۹۳۹ء	۷۸-۸۰
۴۴	معاہدہ عمرانی از ژان ژاک	۱۴	۴	اپریل ۱۹۳۹ء	۸۰
۴۵	بنی اسرائیل کا چاند از رائیڈر ہیگرڈ ترجمہ عبدالمجید حیرت	۱۴	۳	مئی ۱۹۳۹ء	۷۴
۴۶	فن تفسیر از مرزا عزیز فیضانی	۱۴	۳	مئی ۱۹۳۹ء	۷۵
۴۷	اسلامی معاشرت از غلام احمد پرویز	۱۴	۳	مئی ۱۹۳۹ء	۷۵-۷۶
۴۸	مقصد قرآن از مولانا احمد علی	۱۴	۳	مئی ۱۹۳۹ء	۷۶-۷۷
۴۹	دلی کا سنبھالا از خواجہ محمد شفیع	۱۴	۳	مئی ۱۹۳۹ء	۷۷
۵۰	دلی کی دو سو برس کی تاریخ از مولوی سید حسن برنی	۱۴	۳	مئی ۱۹۳۹ء	۷۷
۵۱	گلشن قانی از شیخ حبیب الدین احمد قانی	۱۴	۳	مئی ۱۹۳۹ء	۷۷-۷۸
۵۲	بیاض سخن از عبدالشکور شیدا	۱۴	۳	مئی ۱۹۳۹ء	۷۸
۵۳	نغمہ سروش از فضل الدین فدا	۱۴	۳	مئی ۱۹۳۹ء	۷۸
۵۴	مثنوی معاش و معاد از تمنا عمادی مجیبی	۱۴	۳	مئی ۱۹۳۹ء	۷۸-۷۹
۵۵	ضرب الامثال از خواجہ محمد عبدالمجید	۱۴	۳	مئی ۱۹۳۹ء	۷۹
۵۶	معین المنطق حصہ دوم از مفتی محمود حسن	۱۴	۳	مئی ۱۹۳۹ء	۷۹-۸۰
۵۷	کلام عربی اول و دوم از قاضی زین العابدین سجاد	۱۴	۳	مئی ۱۹۳۹ء	۸۰
۵۸	ہمارا قومی نصب العین کیا ہونا چاہیے از خان فضل کریم درانی	۱۴	۵	جولائی ۱۹۳۹ء	۷۷-۷۹
۵۹	قرآن پاک اور ہماری سیاست از غلام مصطفی	۱۴	۵	جولائی ۱۹۳۹ء	۷۹-۸۰
۶۰	تابعین از شاہ معین الدین احمد ندوی	۱۴	۵	جولائی ۱۹۳۹ء	۸۰
۶۱	سیرت مقبول از مولانا اعجاز الحق قدوسی	۱۴	۵	جولائی ۱۹۳۹ء	۸۰

۶۲	پیام امین از مولانا عبداللہ منہاس	۱۵	۱	ستمبر ۱۹۳۹ء	۷۷-۷۸
۶۳	سید البشر از مولوی ابوسعید عبدالرحمٰن فرید	۱۵	۱	ستمبر ۱۹۳۹ء	۷۸-۷۹
۶۵	سیرت سید احمد شہید از مولوی سید ابوالحسن ندوی	۱۵	۱	ستمبر ۱۹۳۹ء	۷۹-۸۰
۶۶	پست نوری کا فلسفہ تمدن و تعلیم از ڈاکٹر عبدالحمید زبیری	۱۵	۲	اکتوبر ۱۹۳۹ء	۷۳-۷۴
۶۷	افکار عصریہ از چارلس ارگمن ترجمہ محمد ظفر احمد	۱۵	۲	اکتوبر ۱۹۳۹ء	۷۴
۶۸	حاجی لق لق کے افسانے از حاجی لق لق	۱۵	۲	اکتوبر ۱۹۳۹ء	۷۴
۶۹	راز و نیاز از حکیم حبیب احمد اشعر	۱۵	۲	اکتوبر ۱۹۳۹ء	۷۵
۷۰	دہلی از محمود علی جامعی	۱۵	۲	اکتوبر ۱۹۳۹ء	۷۵
۷۱	رسول پاک ﷺ از عبدالواحد سندھی	۱۵	۲	اکتوبر ۱۹۳۹ء	۷۵-۷۶
۷۲	ادب لطیف کا ڈرامہ نمبر	۱۵	۲	اکتوبر ۱۹۳۹ء	۷۶
۷۳	مسیح الملک از حکیم محمد ظہیر الدین اجملی	۱۵	۲	اکتوبر ۱۹۳۹ء	۷۶
۷۴	کریسنٹ فروغ اردو نمبر	۱۵	۳	نومبر ۱۹۳۹ء	۷۲
۷۵	جوہر اقبال مرتبہ محمد حسنین سید	۱۵	۳	نومبر ۱۹۳۹ء	۷۲-۷۳
۷۶	نیا ادب مرتبہ سبط حسن	۱۵	۳	نومبر ۱۹۳۹ء	۷۳-۷۴
۷۷	تاریخ اخلاق اسلامی حصہ اول از مولانا عبدالسلام ندوی	۱۵	۳	نومبر ۱۹۳۹ء	۷۳-۷۶

☆ تمام سہولیات ☆ ۲۴ گھنٹے خدمات

حلیمہ نرسنگ ہوم

HALEEMA NURSING HOME

چاند پٹی بازار، اعظم گڑھ (یو۔پی)

CHAND PATTI BAZAR, AZAMGARH (U.P.)

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ کی تحریریں
جو "زندگی" اور "تحقیقات اسلامی" میں شائع ہوئیں

مرتب: محمد رضی الاسلام ندوی
ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ (یو۔پی)

نمبر شمار		جلد	شمارہ	ماہ و سال	صفحات
اشارات					
۱	مولانا ابواللیث صاحب ندوی اصلاحی اور دوسرے رفقاء کی گرفتاری کے بعد حکومت کے برتاؤ کی تفصیل	۱۱	۶	مارچ ۱۹۵۳ء	۸-۲
۲	انفرادی و جماعتی آزمائشوں کے فوائد و مصالح	۱۴	۶	ستمبر ۱۹۵۵ء / ذوالحجہ ۱۳۷۴ھ	۸-۲
۳	ہندوستان کے ارباب دین اور ارباب سیاست کا جائزہ لے کر دکھایا ہے کہ یہ دونوں قول و عمل کے تحت تضاد میں مبتلا ہیں اور اس ملک میں تحریک اسلامی کی ضرورت شدید تر ہوتی جارہی ہے	۱۵	۱	☆ستمبر ۱۹۵۵ء / محرم ۱۳۷۵ھ	۸-۲
۴	دینی حلقوں کی طرف سے جماعت کی مخالفت کی علت	۱۵	۳-۲	اکتوبر نومبر ۱۹۵۵ء	۸-۲
۵	بھوپال میں جماعت کے تین ارکان اور ایک ہمدرد کی گرفتاری اور امتناعی نظر بندی ایکٹ پر تبصرہ	۱۶	۲	اپریل ۱۹۵۶ء	۸-۲
۶	تحریک اسلامی کے عروج و زوال کے عوامل (۱)	۱۶	۵-۳	جون جولائی ۱۹۵۶ء	۸-۲
	تحریک اسلامی کے عروج و زوال کے عوامل (۲)	۱۶	۶	اگست ۱۹۵۶ء	۸-۲
	تحریک اسلامی کے عروج و زوال کے عوامل (۳)	۱۷	۲-۱	ستمبر اکتوبر ۱۹۵۶ء	۸-۲

☆ستمبر ۱۹۵۵ء میں "زندگی" کے دو شمارے شائع ہوئے تھے ایک ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ کا اور دوسرا محرم ۱۳۷۵ھ کا (مرتب)

نمبر شمار		جلد	شمارہ	ماہ و سال	صفحات
۷	سیکولرزم سے متعلق ایک صاحب کے سوال کا جواب	۴۳		نومبر ۱۹۶۹ء	۸-۲
مطالعۂ قرآن					
۸	مسئلہ شفاعت کی تحقیق آیت من ذا الذی یشفع عندہ (البقرہ-۲۵۵) کی تشریح	۶۹		اگست تا اکتوبر ۱۹۸۲ء	۶-۳
(یہ حصہ "تعبیر القرآن" کے تحت "زندگی" جلد نمبر ۱۰ شمارہ نمبر ۱ اپریل ۱۹۵۳ء میں شائع ہو چکا تھا۔)					
ارشادات رسول ﷺ					
۸	زر پرستی کا موقع				
الف	(امام ابن تیمیہؒ کی ایک تحریر کا ترجمہ)	۳۶	۴	اپریل ۱۹۶۱ء	۸-۷
مقالات					
۹	اساس دین کی تعمیر - ۱	۴	۵-۴	اگست ستمبر ۱۹۵۰ء	۵۱-۲۸
	اساس دین کی تعمیر - ۲	۴	۶	اکتوبر ۱۹۵۰ء	۳۶-۱۸
	اساس دین کی تعمیر - ۳	۵	۱	نومبر ۱۹۵۰ء	۱۵
	اساس دین کی تعمیر - ۴	۵	۲	دسمبر ۱۹۵۰ء	۱۶
	اساس دین کی تعمیر - ۵	۵	۳	جنوری ۱۹۵۱ء	۱۹
	اساس دین کی تعمیر - ۶	۵	۴	فروری ۱۹۵۱ء	۲۳
	اساس دین کی تعمیر - ۷	۵	۵	مارچ ۱۹۵۱ء	۲۱
	اساس دین کی تعمیر - ۸	۵ ۶	۶ ۱	اپریل مئی ۱۹۵۱ء	۱۸
	اساس دین کی تعمیر - ۹	۶	۵	ستمبر ۱۹۵۱ء	۲۸
	اساس دین کی تعمیر - ۱۰	۶	۶	اکتوبر ۱۹۵۱ء	۹
	اساس دین کی تعمیر - ۱۱	۷	۲-۱	نومبر دسمبر ۱۹۵۱ء	۶۸-۶۲

نمبر شمار		جلد	شمارہ	ماہ و سال	صفحات
۱۰	نظام جاہلیت سے تعاون - ۱	۷	۱-۲	نومبر دسمبر ۱۹۵۱ء	۸۷-۶۹
	نظام جاہلیت سے تعاون - ۲	۷	۳	جنوری ۱۹۵۲ء	۳۱-۱۵
۱۱	دین کا قرآنی تصور - کیا ہے اور کیا نہیں ہے - ۱	۱۰	۵-۶	اگست ستمبر ۱۹۵۳ء	۷۵-۶۰
	دین کا قرآنی تصور - کیا ہے اور کیا نہیں ہے - ۲	۱۱	۱	اکتوبر ۱۹۵۳ء	۱۷-۹
	دین کا قرآنی تصور - کیا ہے اور کیا نہیں ہے - ۳	۱۱	۲	نومبر ۱۹۵۳ء	۵۷-۴۳
	دین کا قرآنی تصور - کیا ہے اور کیا نہیں ہے - ۴	۱۱	۳	دسمبر ۱۹۵۳ء	۳۳-۲۱
	دین کا قرآنی تصور - کیا ہے اور کیا نہیں ہے - ۵	۱۱	۴	جنوری ۱۹۵۴ء	۳۱-۲۳
۱۲	صفات الٰہی - ۱	۱۳	۱	اکتوبر ۱۹۵۴ء	۲۳-۹
	صفات الٰہی - ۲ نا تمام	۱۳	۲-۳	نومبر دسمبر ۱۹۵۴ء	۳۸-۲۳
۱۳	تاریخ القرآن	۱۴	۱	اکتوبر ۱۹۵۵ء	۵۱-۳۱
۱۴	ملی انتشار اور اس کے دینی تقاضے (کتاب "اسلام اور اجتماعیت" کا ایک باب)	۲۳	۴-۵	نومبر دسمبر ۱۹۵۹ء	۶۱-۴۹
۱۵	اسلام میں اجتماعیت کا مقام - ۱	۲۴	۱	فروری ۱۹۶۰ء	۳۹-۲۱
	اسلام میں اجتماعیت کا مقام - ۲ نا تمام	۲۴	۴-۵	اپریل مئی ۱۹۶۰ء	۱۰۱-۹۱
۱۶	عبادت کا اسلامی تصور	۲۵	۵	نومبر ۱۹۶۰ء	۵۱-۴۲
	(یہی مقالہ جلد نمبر ۶۹ شمارہ ۲-۴ اگست تا اکتوبر ۱۹۸۲ء میں بھی شائع ہوا۔)				
۱۷	روزہ	۲۸	۲	فروری ۱۹۶۲ء	۵۸-۴۵
۱۸	مسلمان اور اسلامی نظام اجتماعی	۲۸	۵	مئی ۱۹۶۲ء	۱۸-۹
۱۹	قرآن مجید کے کتاب الٰہی ہونے کا ثبوت - ۱ (کتاب "قرآن مجید کا تعارف" کا ایک باب)	۳۰	۱	جنوری ۱۹۶۳ء	۱۹-۲
	قرآن مجید کے کتاب الٰہی ہونے کا ثبوت - ۲	۳۰	۲	فروری ۱۹۶۳ء	۱۸-۹

نمبر شمار		جلد	شمارہ	ماہ و سال	صفحات
۲۰	روح القرآن (ونوبا بھاوے جی کی کتاب "روح القرآن" پر مفصل تبصرہ)	۳۱	۵	نومبر ۱۹۶۳ء	۴۳-۹
۲۱	تحریک اسلامی کا پس منظر - ایک جامع تعارف	۳۹		نومبر ۱۹۶۷ء	
۲۲	مذہبی اور تہذیبی اکائیوں کے مسائل اور ان کا حل	۴۰	۱	جنوری ۱۹۶۸ء	۴۳-۳۲
۲۳	ہندوستان کے مذہبی اور تہذیبی گروہ	۴۰	۶	جون ۱۹۶۸ء	۳۱-۹
۲۴	مسلم پرسنل لا کی اصل حیثیت	۴۱	۵	نومبر ۱۹۶۸ء	۴۹-۴۳
۲۵	تحریک اسلامی اور اس کے مخالفین	۴۲	۲	نومبر ۱۹۶۸ء	۲۹-۹
۲۶	مسلم پرسنل لا اور اسلام	۴۹ ۵۰	۶ ۱	دسمبر ۷۲ - جنوری ۷۳	۳۷-۱۹
۲۷	دعوت اسلامی کے مطالبات اپنے کارکنوں سے	۵۳	۱-۳	جنوری تا مارچ ۷۳	۵۱-۳۵
۲۸	قرآن کی حیثیت	۵۵	۱	نومبر ۱۹۷۵ء	۵۱-۲۱
	(یہی مقالہ "مقدمہ تفہیم القرآن" کے عنوان سے جلد نمبر ۱۲ شمارہ نمبر ۳-۶ جون تا ستمبر ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا تھا۔)				
۲۹	مولانا علی میاں کی دو قابل توجہ وضاحتیں (ان کی کتاب "عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح" کے حوالے سے)	۶۴	۲	فروری ۱۹۸۰ء	۴۱-۳۵
۳۰	دار الاسلام سے لاہور تک (مولانا مودودیؒ کے پٹھان کوٹ سے لاہور منتقلی کے سبب پر روشنی)	۶۴	۶	جون ۱۹۸۰ء	۵۰-۴۲
۳۱	سمع وطاعت کی بحث - ایک جائزہ ایک تکملہ (جناب افضل حسین صاحب کے ایک مقالہ شائع شدہ "زندگی نو" جولائی ۱۹۸۵ء پر استدراک)	۴	۱	رامپور سے منتقلی کے بعد تبدیل شدہ نام "زندگی نو" جنوری ۱۹۸۶ء	۳۳-۱۹

نمبر شمار		جلد	شمارہ	ماہ و سال	صفحات
۳۲	تحریک اسلامی کے لئے ضروری یاددہانی	۱۶	۱	جولائی ۱۹۹۲ء	۸-۳
۳۳	دعوت کی فکری سلامتی	۱۶	۵	نومبر ۱۹۹۲ء	۲۲-۳

استفسارات/رسائل ومسائل

نمبر شمار		جلد	شمارہ	ماہ و سال	صفحات
۳۴	قرعہ اندازی	۵، ۶	۶، ۱	اپریل مئی ۱۹۵۱ء	-۸۲
۳۵	قصر نماز	۶	۱		
۳۶	جماعت اسلامی ہند اور جماعت اسلامی پاکستان	۸	۱	مئی ۱۹۵۲ء	۴۳-۴۰
۳۷	ہاروت ماروت کیا سکھاتے تھے؟	۹	۵	فروری ۱۹۵۳ء	۴۳-۴۱
۳۸	مسجد حرام کا مفہوم	۹	۵	فروری ۱۹۵۳ء	۴۶-۴۳
۳۹	بیت المقدس کی تعمیر	۹	۶	مارچ ۱۹۵۳ء	۵۹-۵۸
۴۰	سلطاناً نصیراً کا مفہوم	۹	۶	مارچ ۱۹۵۳ء	۶۱-۵۹
۴۱	علم الٰہی	۹	۶	مارچ ۱۹۵۳ء	-۶۱
۴۲	تناسخ اور مورتی پوجا	۱۰	۳	جولائی ۱۹۵۳ء	۴۲-۴۰
۴۳	قرآن کے مصدق تورات ہونے کا مطلب	۱۱	۱	اکتوبر ۱۹۵۳ء	۴۳-۴۲
۴۴	شخصیتوں کا احترام	۱۱	۶	مارچ ۱۹۵۴ء	۶۰-۵۵
۴۵	ایمان و اتقاء کا باہمی ربط	۱۲	۲-۱	اپریل مئی ۱۹۵۴ء	۱۰۷-۱۰۶
۴۶	کیا کسی دور نظام جاہلی سے اختیاری تعاون ہوسکتا ہے؟	۱۴	۲-۱	اپریل مئی ۱۹۵۵ء	۱۱۲-۱۰۷
۴۷	تعمیر مساجد میں ناجائز کمائی کا صرف	۱۵	۳	دسمبر ۱۹۵۵ء	-۶۱
۴۸	قرآن کے مصدق تورات ہونے کا مطلب (مزید وضاحت)	۱۶	۵	جنوری ۱۹۵۶ء	۵۰-۴۳
۴۹	وجوب زکوٰۃ میں مستقبل کا لحاظ	۱۶	۳	اپریل ۱۹۵۶ء	۵۳-۵۱

نمبر شمار		جلد	شمارہ	ماہ و سال	صفحات
۵۰	زمین داری یا نقد کا سود	۱۶	۶	اگست ۱۹۵۶ء	۵۵-۵۳
۵۱	حقوق العباد کی اہمیت ناشناسی	۱۶	۶	اگست ۱۹۵۶ء	۵۶
۵۲	اہل بیت رسول ﷺ	۲۳	۳	اکتوبر ۱۹۵۹ء	۶۱-۵۹
۵۳	اقامت دین کی جدوجہد اور اجتماعیت	۲۳	۳	اکتوبر ۱۹۵۹ء	۶۳-۶۱
۵۴	انبیاء کا مقام عمل	۲۳	۶	جنوری ۱۹۶۰ء	۵۹-۵۶
۵۵	امرنا مترفیہا ففسقوا کی صحیح تاویل	۳۱	۲	اگست ۱۹۶۳ء	۵۳-۵۱
۵۶	اسلامی حکومت کے قیام کی جدوجہد	۳۱	۲	اگست ۱۹۶۳ء	۶۰-۵۴
۵۷	ایک ضروری وضاحت (جماعت اسلامی کی الکشن پالیسی کے بارے میں مولانا کی رائے سے متعلق)	۲۳	۳	مارچ ۱۹۹۷ء	۶۹-۶۷

اخبار و افکار

نمبر شمار		جلد	شمارہ	ماہ و سال	صفحات
۵۸	عدم تشدد کا عقیدہ عمل کی کسوٹی پر	۳۰	۱	جنوری ۱۹۶۳ء	۵۶-۵۳

تفسیر تیسیر القرآن

			جلد	شمارہ	ماہ و سال	صفحات
قسط ۱	تفسیر سورۂ فاتحہ و سورۂ بقرہ	آیات: ۱-۵	۴	۴-۵	اگست ستمبر ۱۹۵۰ء	۳۰-۴
قسط ۲	تفسیر سورہ بقرہ	آیات: ۶-۲۵	۴	۶	اکتوبر ۱۹۵۰ء	۷-۴
قسط ۳	تفسیر سورہ بقرہ	آیات: ۲۶-۲۹	۵	۱	نومبر ۱۹۵۰ء	۹
قسط ۴	تفسیر سورہ بقرہ	آیات: ۳۰-۳۴	۵	۲	دسمبر ۱۹۵۰ء	۹
قسط ۵	تفسیر سورہ بقرہ	آیات: ۳۵-۳۹	۵	۳	جنوری ۱۹۵۱ء	۳
قسط ۶	تفسیر سورہ بقرہ	آیات: ۴۰-۴۶	۵	۳	فروری ۱۹۵۱ء	۸
قسط ۷	تفسیر سورہ بقرہ	آیات: ۴۷-۶۱	۵	۵	مارچ ۱۹۵۱ء	۹
قسط ۸	تفسیر سورہ بقرہ	آیات: ۶۲-۷۴	۵، ۶	۶، ۱	اپریل ۱۹۵۱ء، مئی ۱۹۵۱ء	۸
قسط ۹	تفسیر سورہ بقرہ	آیات: ۷۵-۸۶	۶	۵	ستمبر ۱۹۵۱ء	۹

نمبر شمار		جلد	شمارہ	ماہ و سال	صفحات
قسط ۱۰	تفسیر سورہ بقرہ آیات: ۸۷-۱۰۳	۷	۱-۲	نومبر دسمبر ۱۹۵۱ء	۲۶-۷
قسط ۱۱	تفسیر سورہ بقرہ آیات: ۱۰۴-۱۱۵	۷	۳	جنوری ۱۹۵۲ء	۱۹-۹
قسط ۱۲	تفسیر سورہ بقرہ آیات: ۱۱۶-۱۲۹	۷	۴	فروری ۱۹۵۲ء	۲۹-۳
قسط ۱۳	تفسیر سورہ بقرہ آیات: ۱۳۰-۱۳۱	۷	۵	مارچ ۱۹۵۲ء	۱۹-۹
قسط ۱۴	تفسیر سورہ بقرہ آیات: ۱۳۲-۱۵۲	۷	۶	اپریل ۱۹۵۲ء	۲۰-۷
قسط ۱۵	تفسیر سورہ بقرہ آیات: ۱۵۳-۱۶۷	۸	۱	مئی ۱۹۵۲ء	۱۹-۷
قسط ۱۶	تفسیر سورہ بقرہ آیات: ۱۶۸-۱۷۷	۸	۲	جون ۱۹۵۲ء	۱۸-۹
قسط ۱۷	تفسیر سورہ بقرہ آیات: ۱۷۸-۱۸۶	۸	۳	جولائی ۱۹۵۲ء	۱۹-۹
قسط ۱۸	تفسیر سورہ بقرہ آیات: ۱۸۷-۱۹۵	۸	۴	اگست ۱۹۵۲ء	۱۹-۹
قسط ۱۹	تفسیر سورہ بقرہ آیات: ۱۹۶-۲۰۷	۸	۵	ستمبر ۱۹۵۲ء	۱۸-۹
قسط ۲۰	تفسیر سورہ بقرہ آیات: ۲۰۸-۲۱۴	۹	۱	اکتوبر ۱۹۵۲ء	۱۸-۹
قسط ۲۱	تفسیر سورہ بقرہ آیات: ۲۱۵-۲۲۲	۹	۲	نومبر ۱۹۵۲ء	۲۲-۹
قسط ۲۲	تفسیر سورہ بقرہ آیات: ۲۲۳-۲۳۱	۹	۳-۴	دسمبر ۵۲، جنوری ۵۳	۲۳-۳
قسط ۲۳	تفسیر سورہ بقرہ آیات: ۲۳۲-۲۳۹	۹	۵	فروری ۱۹۵۳ء	۲۳-۵
قسط ۲۴	تفسیر سورہ بقرہ آیات: ۲۴۰-۲۵۱	۹	۶	مارچ ۱۹۵۳ء	۲۱-۹
قسط ۲۵	تفسیر سورہ بقرہ آیات: ۲۵۲-۲۵۷	۱۰	۱	اپریل ۱۹۵۳ء	۲۰-۹
قسط ۲۶	تفسیر سورہ بقرہ آیات: ۲۵۸-۲۶۷	۱۰	۲	مئی ۱۹۵۳ء	۲۳-۹
قسط ۲۷	تفسیر سورہ بقرہ آیات: ۲۶۸-۲۷۵	۱۰	۳	جون ۱۹۵۳ء	۲۰-۹
قسط ۲۸	تفسیر سورہ بقرہ آیات: ۲۷۶-۲۸۳	۱۰	۴	جولائی ۱۹۵۳ء	۲۰-۹
قسط ۲۹	تفسیر سورہ بقرہ آیات: ۲۸۴-ختم سورہ بقرہ	۱۰	۵-۶	اگست ستمبر ۱۹۵۳ء	۱۸-۹
	مقدمہ تیسیر القرآن (قرآن کی حیثیت)	۱۲	۳-۶	جون تا ستمبر ۱۹۵۳ء	۲۳-۹

نمبر شمار		جلد	شمارہ	ماہ و سال	صفحات
مقالات: تحقیقات اسلامی					
۱	مسلمان باپ کی ذمہ داریاں	۱	۱	جنوری مارچ ۱۹۸۲ء	۳-۲۳
۲	کیا بنی اسرائیل مصر واپس چلے گئے تھے؟	۱	۲	اپریل جون ۱۹۸۲ء	۳-۱۹
۳	اسلام اور جاہلیت کی کشمکش	۳	۱	جنوری مارچ ۱۹۸۳ء	۵۴-۸۳

ادارہ علمیہ جامعۃ الفلاح کی مطبوعات

دینی مدارس اور ان کے مسائل — قیمت : ۳۰ روپیہ

اس موضوع کے مختلف گوشوں پر مولانا ابو العرفان ندویؒ، مولانا حبیب الرحمٰن عمری، مولانا فاروق خاں، مولانا مقتدیٰ حسن ازہری، مولانا عزیز صاحب المظاہری، مولانا مجیب اللہ ندوی اور سید حامد سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ وغیرہم کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کے دو سالہ کنونشن منعقدہ ۱۲/ - ۱۳ / فروری ۱۹۸۸ء میں پیش فرمائے تھے۔

نقوش و تاثرات — قیمت : ۸ روپیہ

مولانا جلیل احسن ندویؒ کے اہم مضامین کا دلکش اور خوبصورت مجموعہ

ساہتیہ پربھا : مرتب ڈاکٹر کوثر یزدانی — قیمت : ۱۵ روپیہ

ثانوی درجات کے لئے اسلامی مزاج کے مطابق تیار کردہ ہندی نصابی کتاب

ہندی ساہتیہ سمن (درجہ پنجم، ششم و ہفتم کے لئے سپلیمنٹری بک) — قیمت : ۱۵ روپیہ

جس میں ہندی قواعد، ہندی شعراء کا تعارف اور دیگر مفید چیزیں جمع کردی گئی ہیں جو بچوں کو ہندی سکھانے کے لئے بڑی مفید ثابت ہوں گی۔

ملنے کا پتہ:
ادارہ علمیہ جامعۃ الفلاح بلریا گنج، اعظم گڑھ-121 276 (یو،پی)
مرکزی مکتبہ اسلامی، چتلی قبر، دہلی-110 006

اسلام کا معاشی نظام اور مولانا صدر الدین اصلاحیؒ

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی

شعبہ معاشیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (یو، پی)

عصر حاضر میں اسلامی معاشیات کے ارتقاء اور فروغ میں ہندوستانی علماء اور دانشوروں نے تاسیسی وتجدیدی کارنامہ انجام دیا ہے۔ خاص طور پر بیسویں صدی کے نصف اول میں پوری دنیا میں اس میدان میں ان کا کوئی ہمسر نظر نہیں آتا مگر حیرت ہے کہ اس کا کھل کر اعتراف نہیں کیا جارہا ہے[1]۔ پیش نظر مضمون میں مولانا صدر الدین اصلاحیؒ کے ایک گرانقدر رسالہ ''اسلامی نظام معیشت'' کے تجزیاتی مطالعہ کی کوشش کی ہے۔

'اسلامی نظام معیشت' ۴۸ صفحات پر مشتمل ایک مختصر مقالہ ہے جو جماعت اسلامی کے کل ہند اجتماع حیدرآباد منعقدہ نومبر ۱۹۵۳ء کے ایک اجلاس عام میں پیش کیا گیا تھا[2]۔ حیدرآباد میں اس کا پیش کیا جانا اس کو حیدرآباد کے اس سلسلۃ الذہب سے جوڑ دیتا ہے جو اس شہر میں اسلامی معاشیات کے موضوع پر مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدرآبادیؒ، محمد یوسف الدینؒ، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، پروفیسر اقبال قریشیؒ وغیرہم کے دم سے وابستہ ہے۔

رسالہ ''اسلامی نظام معیشت'' درقامت کہتر و در قیمت بہتر' کی بہترین مثال ہے اس میں مولانا نے اسلامی نظام معیشت کے بنیادی فلسفے اور اجمالی خاکہ پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے، راقم یہ تحقیق نہیں کرسکا کہ اس سے قبل یا اس کے بعد آپ نے کہیں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے یا نہیں مگر رسالہ پڑھنے کے بعد بے اختیار خواہش ہوتی ہے کہ کاش آپ نے ایسا کیا ہو۔ اس رسالہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس میں مولانا نے جو باتیں اجمالاً کہی ہیں ان پر بعد کے مصنفین نے مقالات بلکہ کتابیں تک تحریر کیں ان کے بعض خیالات سے ملتے جلتے نظریات جیسا کہ ہم نیچے نشاندہی کریں گے بعض مغربی ماہرین معاشیات کی طرف سے ان سے بہت بعد آنے اور انہیں ان کا بہت بڑا کارنامہ (Contribution) سمجھا گیا۔

مولانا کے نزدیک روزی روٹی کا مسئلہ اس زمانہ میں ''انسانی زندگی کا سب سے اہم مسئلہ بن چکا ہے'' جس سے صرف نظر ممکن نہیں ہے'' اور کسی بھی نظام زندگی کے حق اور درست ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اس مسئلہ کو بھی حسن وخوبی کے ساتھ حل کیا ہے اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ انسانی زندگی کا ایک ہی متوازن کامل اور صحیح نظام ہے اس لئے دنیا لازما یہ جاننا چاہے گی کہ اس نے معاش کا کون سا نظام قائم کیا ہے اور انسانی فطرت اور جبلت کے دوسرے تقاضوں اور مطالبوں کے ساتھ ساتھ اس تقاضے کی تسکین وتکمیل کا کیا بندوبست کیا ہے؟ پیش نظر رسالہ میں مولانا نے اسی کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔

مولانا کے مطابق مسئلہ معاش کے حل کی نوعیت کا انحصار اس پر ہے کہ انسان کس تصور حیات پر یقین رکھتا ہے: مادی تصور حیات یا اخلاقی تصور حیات، اول الذکر تصور کے مطابق ''انسانی زندگی آغوش مادر سے شروع ہو کر آغوش لحد تک پہونچ کر ختم ہوجاتی ہے، جب کہ ثانی الذکر تصور کے مطابق جو کہ اسلام کا بھی تصور زندگی ہے دنیا کی یہ زندگی ہی کل زندگی نہیں ہے بلکہ کل زندگی کا ایک بہت ہی چھوٹا سا جزء ہے ظاہر ہے کہ زندگی کے ان دو مختلف تصورات پر مبنی نظام حیات اور اس کی تفصیلات بھی جدا ہوں گی۔

مادی تصور حیات کے تحت ''انسان کا بنیادی مسئلہ معاش کا مسئلہ ہے اور انسان و انسانیت کے سارے مسئلوں، مصلحتوں اور تقاضوں کا مرجع ومحور بس پیٹ ہے'' ڈارون کا نظریہ ارتقاء اور فلسفہ تنازع للبقاء اس تصور حیات کا ایک لازمہ تھا۔ انسان کو حیوانی سرشت سے جوڑنے کے بعد اس سے جارحانہ خود غرضی اور بے درد کشمکش کا ظہور نیز طبعی خواہشات کی تکمیل کا واحد مطمح نظر بن جانا عین فطری قرار پائے گا اور اس میں کسی تبدیلی کی توقع سادہ لوحی ہوگی۔ یہاں مولانا نے مارکس کے نظریہ پر بھی بڑی جچی تلی تنقید کی ہے کیوں کہ یہ ناممکن ہے کہ ایک وقت آئے جب معاشی کشمکش ختم ہو کر ایک خالص غیر طبقاتی معاشرہ پیدا ہوجائے اور جس انسان کے اندر خود غرضی خون بن کر گردش کررہی ہے وہ ایک دن قناعت، انصاف اور بے غرضی کا پتلا بن جائے۔''

مولانا نے نام لئے بغیر مادی تصورات پر مبنی فلاحی معیشت (Welfare

Economics) کے کارگر ہونے کے نظریہ پر بھی تنقید کی ہے "انسان محض ایک ترقی یافتہ حیوان ہونے کی صورت میں اپنے ذاتی مفادات اور شخصی اغراض کی بندگی سے بھی آزاد نہیں ہوسکتا اور اگر کبھی دوسروں کے اغراض و مقاصد کا خیال کر کے اپنے غیر محدود مفادات کی کچھ حد بندی کر لیتا ہے تو یہ حد بندی یا تو حقیقتاً ایک طرح کی نظر بندی ہوتی ہے اور اس کے پردے میں حصول مفادات کا صرف ذہنگ بدلا ہوتا ہے یا اگر وہ واقعی حد بندی ہی ہوتی ہے تو دلی آمادگی کے ساتھ نہیں ہوتی بلکہ بیرونی دباؤ کے جبر سے ہوتی ہے۔"

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ زمانہ حال کے مشہور ماہر اسلامی معاشیات ڈاکٹر محمد عمر چھاپرا نے اپنی کتاب Islam And The Economic Challenge میں ان ہی خطوط پر موجودہ فلاحی معاشیات پر بڑی تفصیلی بحث کی ہے ان کے نزدیک بھی مغرب کی فلاحی معاشیات کا نظریہ حالات کے دباؤ کا نتیجہ رہا ہے اخلاقیات سے عاری اور مادیت پر مبنی یہ نظریہ بھی اپنے مقاصد میں ناکام رہا ہے[2]۔ مولانا نے درج ذیل عبارت میں ایک طرح سے اشتراکی نظام کے خاتمہ کی پیش گوئی کر دی تھی۔

"ملوکیت سے جاگیرداری، جاگیرداری سے سرمایہ داری، سرمایہ داری سے اشتراکیت اسی جذبہ خود غرضی کی مصلحت شناسانہ صورتیں ہیں جن میں حالات کے تدریجی دباؤ نے ایک دوسرے کو زبردستی اگلوایا ہے اور اب حال یہ ہے کہ جدھر دیکھئے مظلوم نوازی، حقوق شناسی اور معاشی عدل کے سرمن دئے جارہے ہیں لیکن یہ باور کرنے کے لئے کہ انسان، 'کامریڈ' بن کر اغراض پرستی سے بلند ہوتا جارہا ہے اپنے کو بہت بڑا فریب دینے کی ضرورت ہے کیوں کہ سارے خوشنما دعووں کے باوجود معیشت کے ان تمام علمی فلسفوں کی تہہ میں خود غرضی جوں کی توں موجود ہے اور کسی کے بس میں نہیں کہ اس سے انہیں پاک کردے۔"

مولانا نے مادی تصور حیات پر مبنی معاشی فلسفہ کا مختصر مگر نہایت جامع جائزہ لینے کے بعد اسلام کے اخلاقی تصور حیات پر قائم معاشی حل کا خاکہ پیش کیا ہے "یہ صحیح ہے کہ انسان کی کچھ فطری مادی ضرورتیں ہیں مگر انسان معاشی حیوان نہیں ہے جیسا کہ مغرب کے ماہرین معاشیات نے اس کی صورت گری کی ہے بلکہ وہ عقل اور عالی جذبات بھی رکھتا ہے یہ دنیوی

زندگی اس کی پوری زندگی کا ایک بہت ہی چھوٹا اور ابتدائی حصہ ہے اس میں کامیابی کا انحصار اس چیز پر ہے کہ وہ عقل سلیم اور اور جذبات عالیہ کے صحیح تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کرے اور اپنے طبعی مطالبات کو ان کا تابع بنا کر رکھے" اسی تصور حیات کے مطابق زندگی کے سارے مسائل میں انسان کا بنیادی مسئلہ اپنے نفس کا تزکیہ کرنا ٹھہرتا ہے مولانا فرماتے ہیں کہ اس تزکیہ نفس کو آج کل کی بولی میں ہم ارتقائے انسانیت، بھی کہہ سکتے ہیں مولانا کی اصطلاح ارتقائے انسانیت موجودہ انگریزی اصطلاح Human Development (فروغ وسائل انسانی) کا سب سے پہلے چرچا ۱۹۶۰ء ہوا جب کہ مشہور امریکی ماہر معاشیات پروفیسر تھیوڈور شلتز نے امریکی معاشی جمعیت کی ۷۳ ویں کانفرنس میں انسانی سرمایہ میں اصل کاری (Investment in Human Capital) کے موضوع پر اپنا خطبہ پیش کیا جو بعد میں امریکن اکنومک ریویو مارچ ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا۔ فروغ انسانی یا Human Development کا وسیع نظریہ پاکستانی ماہر معاشیات محبوب الحق نے اور بعد میں پیش کیا یہ سارے نظریات چونکہ مادی تصور حیات پر مبنی تھے اس وجہ سے تعلیم، صحت قابل قدر آبادی جیسے عیاں مظاہر سے متعلق رہے اصلی ارتقائے انسانیت تک یہ نہیں پہونچ سکے۔ بعد کے اسلامی معاشیات کے ماہرین نے اس نقطہ کو جسے مولانا نے مجملاً پیش کیا تھا اسلام کے نظریہ ترقی (Islamic Theory Of Development) کی بنیاد کے طور پر تفصیلی طور پر پیش کیا ہے[2]۔

مادی تصور حیات پر مبنی معاشی فلسفہ پر تنقیدی نظر ڈالنے کے بعد مولانا نے معاشی مسائل کے حل کے لئے اسلام کا تجویز کردہ نسخہ پیش کیا ہے آپ نے سب سے پہلے اس راہبانہ تصور کی تردید کردی ہے جس کے مطابق دولت کو ایک قابل نفرت چیز سمجھا جاتا ہے "اسلام مال و دولت کو گندگی کے طوق نہیں کہتا بلکہ زندگی کا مدار کہتا ہے .... نیز اسے اللہ کا فضل قرار دیتا ہے اور اس کے کمانے کا حکم دیتا ہے" "اسلام کے نزدیک یہ پوری دنیا نوع انسانی کے سارے افراد کا مشترک ذخیرہ رزق ہے اور اس لئے اصولاً ہر فرد کا بنیادی حق ہے کہ اس میں سے حصہ پائے۔ لوگ اپنا اپنا یہ بنیادی حق کس طرح پاتے ہیں اسلامی نظام معیشت اسی سوال کا جواب ہے۔"

مولانا کے نزدیک اسلامی نظام معیشت اخلاقی وقانونی دو اہم بنیادوں پر قائم ہے۔ اسلام نے حاجت مندوں کی حاجت برآری کے عمل کو تزکیہ کا موثر ذریعہ قرار دیا ہے بلکہ خود اس کو زکوۃ کہا ہے" اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے نظام اسلامی کے اندر زکوۃ کا کیا مقام ہے اور وہ عام معنوں کی خیر خیرات اور دان پن سے کتنی مختلف چیز ہے افسوس کی زمانہ کی ستم ظریفیوں نے جب دین وخدا پرستی کے اکثر و بیشتر بلند اور انقلابی تصورات کو پستی، جمود اور محدودیت کا جامہ پہنایا تو زکوۃ کے مفہوم کی یہ عظمت بھی اس کا نشانہ بننے سے نہ بچ سکی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اب دوبارہ اسلامی ماہرین معاشیات زکوۃ کی معاشی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اسلامی مالیاتی پالیسی میں اس کے مقام، سماجی تحفظ کے لئے اس کی اہمیت اور معاشی ناہمواری کے علاج میں اس کی تاثیر کا اقرار کرتے ہوئے اس پر کتابوں اور مقالات کے انبار لگا رہے ہیں۔[۵]

مولانا کے مطابق اسلامی نظام معیشت کے بنیادی فلسفہ کا تقاضا ہے کہ اس میں انفرادی ملکیت کی اجازت ہو چنانچہ اسلام انفرادی ملکیت کے حق کو تسلیم کرتا ہے مگر اسی کے ساتھ اس پر بے شمار حقوق کی ادائیگی اور واجبات کی انجام دہی لازم قرار دیتا ہے وہ مصنوعی جبری مساوات لازم کر کے تگ ودو کی راہ مسدود نہیں کرنا چاہتا کہ اس سے انسان کا اخلاقی نشوونما بڑی حد تک رک جائے گا غرضیکہ اسلامی معیشت کی اخلاقی بنیادوں کے تحت آزادی عطا کر کے اسلام ترغیب وتشویق اور اخلاقی اپیل کا سہارا لیتا ہے کتاب میں اسلامی نظام معیشت کی قانونی بنیادوں کے تحت دو قسم کی تدابیر کا تذکرہ ہے مثبت اور منفی۔ مثبت تدابیر میں کسب معاش کی منصفانہ آزادی اور آسانی نیز ناداروں کے تحفظ حقوق کی مثبت تدابیر کی نشاندہی کی گئی ہے۔

اسلامی فلسفہ معاشیات کے تحت کچھ چیزیں جو اپنی پیدائشی اور قدرتی حالات میں کار آمد ہوتی ہیں اور جن میں کسی انسانی محنت کو دخل نہیں ہوتا ان میں سارے انسانوں کا حق ہے جیسے جنگل کی لکڑی، میدانوں کی گھاس دریا کا پانی اور اس کی مچھلیاں ان چیزوں میں سے جتنی مقدار لوگ اپنی محنت سے اپنے قبضے میں لے آئیں ان پر ان کا حق ہے کسب معاش میں ہر

شخص کو یکساں مواقع حاصل ہوں گے قومیت، وطنیت، پیشہ، نسل اور عقیدے کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں ہوگی۔ اموال تجارت اور نقود پر ڈھائی فیصد، زرعی پیداوار پر پانچ سے دس فیصد، بعض معدنیات پر بیس فیصد اور حیوانات کی دولت پر زکوۃ اس سلسلہ کی مثبت تدابیر ہیں اسی نوع کے ترکہ کی تقسیم کے قوانین بھی ہیں جو غربت وافلاس کم کرنے میں مدد ومعاون ہیں۔

جہاں تک منفی قانونی تدابیر کا تعلق ہے تو اس کے تحت سودی معاملات کی ممانعت، غیر شراکتی کاروبار جس میں استحصال ونزاع کا اندیشہ ہے، غرر، بیع قبل القبض، عرصہ تک غیر مستعمل زمین کی مستحق کو تقسیم، ذخیرہ اندوزی کی ممانعت، جوئے اور سٹے کے کاموں پر پابندی، بیچو لئے کی مخالفت، اجارہ داری کی حرمت، بیوع محرمات پر رکاوٹ وغیرہ شامل ہیں مزدوری کی ادائیگی میں تاخیر اور مزدوروں کا استحصال کی ممانعت بھی اسی کے تحت آئے گا کسی کو قوت لایموت سے محروم نہیں کیا جا سکے گا خواہ اس کا کوئی جرم ہو۔ مولانا کے مطابق "یہ ہیں آئین اسلام کی وہ آہنی قیود جو سرمائے کے غیر معمولی ستاؤ کو عملاً غیر ممکن بنا دیتی ہیں اور بندگان زر کو اس امر کے مواقع حاصل ہونے نہیں دیتیں کہ وہ اپنی بے درد تدبیروں سے برابر عوام الناس کی قوت خرید کو کم کرتے جائیں ان کی رگوں کا خون چوستے رہیں اور انہیں بھوکوں مارنے سے بھی دریغ نہ کریں"۔

اسلام نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہوی وہوس کا قلع قمع کرنے کے لئے لہو ولعب جاہ وشہرت، تفاخر ونمائش، تعیش واسراف منشیات کا استعمال رقص وسرود کی محفلوں مقابر پر قبوں کی تعمیر کو مذموم ومحرم قرار دیا ہے کیوں کہ آدمی کو ہوس زر عموماً ان ہی کاموں کے لئے ہوتی ہے اس کے بعد بھی ضرورت ہو تو "اسلامی اسٹیٹ کو ہر آن اس بات کا حق حاصل ہے کہ اگر مصلحت کا تقاضا ہے تو وہ اخلاقی ہدایتوں میں سے بھی بعض کو قانونی حیثیت دے دے" بلکہ ضرورت ہو تو خود حکومت اسلامی کو معاشی ضرورتوں کی تکمیل کیلئے فعال ہونا پڑ سکتا ہے جو اسلامی معاشیات کی آخری حصار ہے اس طرح مولانا اسلامی معیشت میں ریاست کو بھی ایک اہم رکن تسلیم کرتے ہیں۔

آخر میں مولانا نے اسلامی نظام معیشت کے عملی نفاذ کے مسئلہ سے بھی بحث کی ہے

ان کے خیال میں اسلامی نظام معیشت کے قابل عمل ہونے کی طرف سے آج لوگ شک وشبہ کا اظہار اس لئے کر رہے ہیں کہ ایک عرصہ سے تمدنی اور معاشی ارتقاء بالکل مختلف لائنوں پر ہوتا چلا آرہا ہے اس لئے "اسلامی نظام معیشت کی عملی حیثیت کے بارے میں عام ذہن کو مطمئن کرنے کے لئے بہت کچھ کرنا ہوگا۔" خوشی کی بات ہے کہ جس اسلامی نظام معیشت کا اجمالی خاکہ مولانا نے تقریباً پچاس سال قبل پیش کیا تھا (گو اس میں وہ تنہا نہیں تھے) اس لائن پر اس مدت میں کافی فکری ونظری اضافہ ہوا ہے اور عملی کوششیں بھی جاری ہیں اس میں شبہ نہیں کہ اسلامی نظام معیشت پورے اسلامی نظام کا ایک جزء ہے اور اس کے مکمل ثمرات تبھی دیکھے جاسکتے ہیں جب یہ پورے نظام کے ساتھ رونما ہو مگر مولانا کو یقین ہے کہ "اگر کوئی چاہے تو اسلام کے معاشی نظام کو اس کے نظام اخلاق سے جدا کر کے مجرد معاشی اور اقتصادی حیثیت سے بھی دیکھ لے یقین ہے کہ اس طرح کے خالص نظری وفکری وفنی جائزے میں بھی یہ نظام معیشت اشتراکیت وسرمایہ داری کی افراط وتفریط کے درمیان ایک معتدل اور متوازن نظام نظر آئے گا۔"

حواشی وملاحظات

(۱) اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ موضوع ابھی تشنۂ تحقیق ہے ضرورت ہے کہ اس کو کسی جامع رسالہ کا موضوع بنایا جائے کچھ تفصیلات راقم کے مضمون "اسلامی معاشیات کے ارتقاء میں معاصر ہندوستان کا حصہ" سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ جلد ۱۶ عدد ا مارچ ۱۹۹۷ء صفحات ۴۷ ۔ ۸۰ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں جسے جامعۃ الفلاح کے ایک سیمینار میں پیش کیا گیا تھا۔

(۲) یہ رسالہ دوسری بار ۱۹۸۳ء میں مزید ترمیم کے بعد مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی سے شائع ہوا ہمارے سامنے یہی ایڈیشن ہے رسالہ کے اقتباسات کو واوین کے درمیان لکھ دیا ہے اور اختصار کے پیش نظر حوالے صفحات وغیرہ نظر انداز کر دئے گئے ہیں کیوں کہ اس مختصر رسالہ سے انہیں ڈھونڈ نکالنا مشکل نہیں ہوگا اس رسالہ کا انگریزی ترجمہ Islamic Economic Order کے عنوان سے ڈاکٹر عبدالمعز منظر نے ۱۹۸۵ء میں ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ سے شائع کیا جو چھوٹی تقطیع کے پچاس صفحات پر مشتمل ہے آخر کے دو صفحات میں ان قرآنی آیات کو یکجا کر دیا گیا ہے جو کتاب میں آئی ہیں۔

ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی نے اسلامی معاشیات سے متعلق اردو، عربی، اور انگریزی میں ۱۹۷۵ء تک لکھے گئے مواد کا اپنی کتاب Muslim Economic Thinking مطبوعہ لیسٹر ۱۹۸۱ء میں

ایک جائزہ اور کتابیات (Bibliography) پیش کیا ہے پتہ نہیں کیسے اپنے گھر کی چیز ہوتے ہوئے یہ وقیع رسالہ اس میں درج ہونے سے رہ گیا؟

(۳) چھاپرا محمد عمر، اسلام اینڈ دی اکنامک چیلنج لیسٹر ۱۹۹۲ء صفحات ۱۱۳۔۱۳۶

(۴) ملاحظہ ہو احمد، خورشید: اسلامک اپروچ ٹو ڈیویلپمنٹ، اسلام آباد ۱۹۹۴ء صفحات ۱۹۔۲۶ منان، ایم اے اور احمد، محبوب (مرتبین) اسلام آباد ۱۹۹۴ء صفحات ۳۔۶۷ چھاپرا محمد عمر Islamic and Economic Development کراچی ۱۹۹۳ء

(۵) اس موضوع پر بڑھتے ہوئے لٹریچر کو دیکھتے ہوئے راقم اپنے ایک معاون کے ساتھ ایک کتابیات بعنوان A Bibliography on Zakah and Ushr in Arabic, English & Urdu تیار کر رہا ہے جو انشاء اللہ جلد ہی منظر عام پر آئے گی۔

اب کوئی ایسا نہیں رہا جس سے قرآنی مشکل میں رجوع کیا جاسکے

ندوہ ۲۸ رجب ۱۴۱۹ھ

عزیز گرامی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حادثہ فاجعہ کی خبر مجھے دیر سے ملی۔ آپ لوگوں کے لئے تو حادثہ جانکاہ ہے ہی ہم وابستگان فکر فراہی کیلئے بھی روح فرسا ہے۔ اب کوئی ایسا نہیں رہا جس سے کسی قرآنی مشکل میں رجوع کیا جاسکے یا کسی دینی مسئلہ میں یہ معلوم کرنے کی کوشش ہو کہ ان کی کیا رائے ہے۔ مولانا مرحوم اس لحاظ سے بڑے خوش قسمت تھے کہ فراغت کے فوراً بعد اقامت دین کی جدوجہد میں عملاً شریک ہوگئے۔ اور پوری زندگی اسی کام کے ہو کے رہ گئے۔ کوئی دوسرا مشغلہ نہیں اختیار کیا۔ ان کی تصانیف فریضہ اقامت دین۔ اساس دین کی تعمیر۔ حقیقت عبودیت۔ حقیقت نفاق اسلام اور اجتماعیت اسلام ایک نظر میں اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ۔ دین کا قرآنی تصور تیسیر القرآن اور تلخیص تفہیم وغیرہ ان کے بلندی درجات اور تقرب الی اللہ کے بہترین ذرائع ہیں۔ پھر ان سے استفادہ کرنے والے بے شمار لوگ ان کیلئے صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہونہار اور صالح اولاد بھی ان کے اعمال صالح میں انشاء اللہ روز قیامت اضافہ کا باعث رہے گی۔ ایسے مبارک سایہ سے محرومی پر جتنا بھی صدمہ ہو کم ہے۔ اس میں میں اور میرے جیسے بہت سے لوگ آپ لوگوں کے شریک ہیں۔ مولانا کیلئے دعا تو میرے وظیفہ میں داخل ہے۔ آپ حضرات کی بڑی ذمہ داری ہے۔ مولانا سے نسبت کی لاج رکھنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق بخشے اور دنیا وآخرت میں آپ سب کا حامی وناصر رہے۔ مولانا مرحوم کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے۔ لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ اور ملت نیز جماعت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ (آمین) والسلام

شریک غم شہباز (سابق صدر جامعۃ الفلاح، استاذ ندوۃ العلماء)

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ بحیثیت متکلم

محمد عارف اعظمی عمری

رفیق دارالمصنفین، اعظم گڑھ

علم کلام کا مختصر تعارف اسلام کے مخاطب اول عرب کے سادہ لوح باشندے تھے جو فلسفہ وحکمت کی بحثوں سے ناآشنا تھے اس لئے اسلامی عقائد وافکار کے قبول کرنے میں ان کے سامنے صرف تقلیدی نوعیت کی رکاوٹیں تھیں چنانچہ اسلام نے آفاق وانفس کے واضح اور فطری دلائل کے ذریعہ ان کے ذہنوں کو مطمئن کیا، مگر جب اسلامی حکومت کا رقبہ وسیع ہوا اور روم وایران بھی اس کے حدود میں شامل ہوگئے تو اسلامی معاشرہ بھی فلسفہ وحکمت سے آشنا ہوا، جس کے نتیجہ میں متعدد افکار ونظریات اور غیر اسلامی عناصر بھی وجود میں آئے اور دقت نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات بھی کسی حد تک درست معلوم ہوتی ہے کہ عربوں کے ہاتھوں عجم کو جو ذلت آمیز شکست ہوئی اس کا انتقام عجمی حکماء نے اسی راستہ سے لینے کی کوشش کی، بنو امیہ کے عہد حکومت تک چونکہ عربی سیادت وسربراہی کو غلبہ حاصل تھا اس لئے اس دور میں عجمی عناصر کی نشوونما خاطر خواہ نہ ہوسکی، مگر سلطنت عباسیہ کا قیام چونکہ اہل عجم کے اشتراک و تعاون سے ہوا تھا اس لئے اس عہد میں عجمی افکار وخیالات کی نشرواشاعت نہایت وسیع پیمانے پر ہوئی۔ خلیفہ عباسی مامون کے عہد حکومت میں یونانی علوم وفلسفہ کے نقل وترجمہ، بیت الحکمۃ کا قیام اور متعدد مذاہب وملل کے حکماء ودانشوروں کی پذیرائی نے پوری ملت اسلامیہ کو فلسفہ وحکمت کے رنگ میں رنگ دیا۔ اور نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ اسلامی دارالحکومت میں خلفاء کی زیر نگرانی اسلامی عقائد وافکار پر آزادانہ بحث ومباحثے ہونے لگے۔

ایسے عہد وماحول میں اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ معاندین اسلام کا جواب انھیں کے کارخانہ حکمت سے تیار کئے گئے اسلحوں سے دیا جائے، چنانچہ اسی ضرورت کے تحت علم کلام وجود میں آیا، جس کے دو اہم مقاصد تھے۔

۱۔ اسلامی عقائد کا اثبات ۲۔ فلاسفہ اور ملحدین وغیرہ کا رد

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علم کلام کی بناوتاسیس میں معتزلہ کا بڑا حصہ ہے بلکہ انھی کو اولیت حاصل ہے مگر عقل ونقل کے درمیان اعتدال وتوازن برقرار نہ رکھنے کے سبب جلد ہی ان کا دور ختم ہوگیا۔ اور ان کی جگہ اشاعرہ اور ماتریدیہ نے لی جنھوں نے بڑی حد تک اعتدال و توازن کے ساتھ اس علم کی آبیاری کی۔ اور ان ہی کے عہد میں امام غزالی اور امام رازی جیسے اساطین علم کلام پیدا ہوئے۔

متکلمین اسلام کی جماعت میں علامہ ابن تیمیہ کو بجا طور پر مجدد کہا جاسکتا ہے، انھوں نے حکماء اسلام کے فلسفیانہ طریقہ استدلال پر تنقید کر کے بدلائل یہ ثابت کر دکھایا کہ مذہب اسلام کی مدافعت کے لئے خود قرآن اور شریعت مطہرہ کے دلائل کافی ہیں، اور یہ طریقہ خطرات سے محفوظ بھی ہے۔

متاخرین میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا یہ عظیم الشان کارنامہ ہے کہ انھوں نے علم کلام کے دائرہ میں وسعت پیدا کر کے اثبات عقائد کے ساتھ احکام شریعت کے اسرار و مصالح کو بھی موضوع بحث بنایا اور ایک نئے طرز کے علم کلام کی بنیاد ڈالی۔

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ کا کلامی موقف نامور عالم دین اور مصنف مولانا صدرالدین اصلاحیؒ (م ۱۹۹۸ء) شاہ ولی اللہؒ کے مسلک کے علم کلام پر گامزن نظر آتے ہیں، اسی کے ساتھ انھوں نے علامہ ابن تیمیہؒ کے طریقہ استدلال کو بھی اپنایا ہے چنانچہ انھوں نے اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز انہی بزرگوں کے افادات کے نقل وترجمہ اور انکی تشریح و توضیح سے کیا، اور ان کی متعدد کتابوں میں اسلامی عقائد واعمال پر متکلمانہ بحثیں ملتی ہیں جن میں بطور خاص "اساس دین کی تعمیر" اور "اسلام ایک نظر میں" خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ نے عقائد واعمال کی تشریح وتوضیح میں امام ابن تیمیہؒ کے موقف کو خاص طور پر پیش نظر رکھا ہے، اور اس کے بالمقابل حکمائے متکلمین کے فلسفیانہ نقطۂ نظر کی تردید کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"جہاں تک فلسفہ اور اہل فلسفہ کے دعووں کا تعلق ہے اگرچہ وہ بڑے بلند بانگ ہیں، مگر حق یہ ہے کہ اس فلسفہ نے ایمان کے حصول میں نہ کبھی کوئی مدد دی ہے اور نہ آئندہ

دے سکتا ہے، البتہ اس سے اور زیادہ دور پھینک دینے میں بہت کچھ کارگر ضرور ہو سکتا ہے اور ہوتا رہا ہے، درحقیقت یہ بھی ہماری دینی تاریخ کا ایک بڑا ہی الم ناک باب ہے کہ لوگوں نے عقائد و افکار تو قرآن سے لئے مگر ان کی صداقت پر دلائل مہیا کرنے کے لئے وہ یونانی تفلسف کے اس بیاباں میں جا دوڑے جہاں شک و ریب اور تذبذب کی خاردار جھاڑیوں کے سوا کچھ نہ تھا، حالانکہ جس قرآن نے ان حقائق کی تعلیم دی ہے وہ اپنی جو بات کہتا ہے اس کے دلائل بھی خود ہی پیش کرتا جاتا ہے[1]۔"

سطور ذیل میں مولانا صدرالدین اصلاحیؒ کی کتابوں کے بعض متکلمانہ مباحث بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں جن سے ان کے طریقہ استدلال کا اندازہ ہو سکے گا۔ البتہ مولانا مرحوم کی عظمت و بلندی کا اعتراف کرتے ہوئے اس بات کی جسارت شاید بے محل نہ ہوگی کہ مولانا کے اسلوب بیان کی صلابت اور بعض مقامات پر اپنے فکری نقطۂ نظر کی پرجوش حمایت نے ان کے سنجیدہ متکلمانہ موقف کو صدمہ پہونچایا ہے، مثالوں کے ضمن میں اس کی جانب توجہ دلائی جائے گی۔

شفاعت کا اسلامی تصور مولانا صدرالدین اصلاحیؒ نے عقیدۂ آخرت کے تذکرہ میں شفاعت پر بڑی عمدہ بحث کی ہے اور قرآن مجید کے نصوص کا صحیح محل متعین کیا ہے، اور نہایت خوبصورتی سے اس کے بارے میں پیدا غلط فہمیوں کا ازالہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"غرض جس پہلو سے بھی دیکھئے ایسی کسی خوش گمانی کی ذرا بھی گنجائش نظر نہیں آتی کہ آخرت کی کامیابی ایمان و عمل کے بجائے کچھ بزرگ ہستیوں کی خوشنودی پر موقوف ہے، وہاں کے محاسبے میں انھیں کی سفارش سے کام بن جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر اثر انداز ہو کر لوگوں کو لازماً بخشوالیں گے خواہ وہ اس کے قانون جزاء کے مطابق بخشے جانے کے ذرا بھی مستحق نہ قرار پارہے ہوں، قرآن مجید اس قسم کے خیال کو قطعی بے بنیاد قرار دیتا ہے اور صراحت سے کہتا ہے کہ اس طرح کی کوئی سفارش کی ہی نہ جا سکے گی۔

من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیه ولا خلة ولا شفاعة (البقرہ:۲۵۴) نہ کوئی

[1] اساس دین کی تعمیر ص:۴۱

لین دین ہوگا نہ کوئی دوستی اور نہ کوئی سفارش ہوگی۔

صرف یہی نہیں کہ اس قسم کی سفارش کا خیال ایک بے بنیاد اور لاحاصل خیال ہے بلکہ ذرا غور سے دیکھئے تو وہ سراسر ایک مشرکانہ خیال نظر آئے گا، کیونکہ یہ نظریہ اسی وقت قبول کیا جا سکتا ہے جب پہلے یہ مان لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نہ اپنی سلطنت کا تنہا فرماں روا ہے نہ اپنی رعایا کے متعلق فیصلہ کرنے میں کسی مداخلت سے بالاتر ہے، نہ اس کا علم ہر بات پر حاوی ہے نہ وہ عادل ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس طرح کے تصورات ایک مشرک کے ہی ہو سکتے ہیں۔ مومن کے نہیں ہو سکتے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آخرت میں کسی قسم کی کوئی شفاعت ہوگی ہی نہیں اس کے بخلاف واقعہ یہ ہے کہ جہاں قرآن اور حدیث میں اس مشرکانہ نظریہ شفاعت کی بار بار تردید کی گئی ہے وہیں ایک خاص قسم کے تصور شفاعت کا ان سے کھلا ہوا ثبوت بھی ملتا ہے۔ یہ شفاعت عام اور بے قید نہ ہوگی بلکہ خاص اور محدود ہوگی، کچھ شرطوں کے ساتھ ہوگی اور وہ یوں ہے۔

۱۔ شفاعت کا معاملہ پورے کا پورا اللہ کے اپنے ہاتھ میں ہوگا، اور جو کچھ ہوگا اس کی مرضی کے تحت ہی ہوگا (قل لله الشفاعة جميعاً. (الزمر:۴۴)

۲۔ شفاعت کے لئے زبان صرف وہی شخص کھول سکے گا جسے اللہ تعالیٰ اس کا اذن دے گا (من ذا الذی یشفع عنده الا باذنه. (البقرہ:۲۵۵)

۳۔ شفاعت کرنے والا شفاعت صرف اسی شخص کے بارے میں کر سکے گا جس کے لئے شفاعت کرنے کی اسے اللہ تعالیٰ کی اجازت اور رضا مل چکی ہوگی (ولا یشفعون الا لمن ارتضیٰ. (الانبیاء:۲۸)

۴۔ اس شفاعت میں وہ صرف ایسی ہی بات کہے گا جو ہر پہلو سے ٹھیک ہوگی۔ (ولا یتکلمون الا من اذن له الرحمن وقال صوابا. (النباء:۳۸)

ان حدود کے اندر جو شفاعت ہوگی اس کی نوعیت کچھ ڈھکی چھپی نہیں رہ جاتی، وہ قطعی طور پر غلامانہ عرض و معروض اور دعاء و استغفار سے بال برابر بھی مختلف کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔"[1]

[1] اسلام ایک نظر میں ص ۲۸ تا ۳۰

مولانا صدر الدین اصلاحیؒ نے اس بحث میں یہ سوال قائم کر کے کہ یہ مقید اطاعت جو تحصیل حاصل ہے تو آخر اس کا مقصد کیا ہے، اس کے جواب میں نہایت حکیمانہ بات پیش کی ہے کہ یہ درحقیقت مقربین بارگاہِ الٰہی کی عزت افزائی کا ایک ذریعہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"یہاں ذہن ایک اور سوال کرے گا اور وہ یہ کہ اس شفاعت کی اصل معنویت کیا ہے؟ وہ فی الواقع کس غرض کے لئے ہوگی؟ اگر شفاعت کرنے والا شفاعت کرنے میں اتنا بے اختیار ہے جتنا کہ اوپر ذکر کی ہوئی آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ شفاعت کے بعد جن لوگوں کی مغفرت کا اعلان کیا جائے گا ان کی مغفرت کا فیصلہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی کر چکا ہوگا، پھر اس شفاعت کا واسطہ درمیان میں کس غرض کے لئے ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بظاہر اس شفاعت کی اصل غرض اللہ کی جانب سے اس کے ان خاص بندوں کی عزت افزائی معلوم ہوتی ہے جن کو وہ اپنی بارگاہ میں زبان کھولنے اور عرض معروض کرنے کی اجازت دے گا۔ حشر کے بھرے میدان میں جہاں سب خاموش، سہمے، سر جھکائے کھڑے ہوں گے اور کسی کو دم مارنے تک کا یارانہ ہوگا، ان لوگوں کے لئے یہ یقیناً بڑی عزت اور فخر کی بات ہوگی جنھیں بات کرنے کی اجازت مل جائے اور وہ بات بھی اتنی بڑی گذارش کے لئے کہ خدایا فلاں فلاں کوتہ عمل بندوں کی مغفرت فرما دے اور پھر فرماں روائے کائنات کی طرف سے اس گذارش کے منظور کر لئے جانے اور ان بندوں کے بخش دئے جانے کا اعلان بھی ہو جائے۔"[1]

رسالت کی اہمیت و ضرورت مولانا صدر الدین اصلاحیؒ نے رسالت کی اہمیت اور ضرورت کو بڑے دل نشیں اور منطقی پیرایہ بیان میں ثابت کیا ہے جس سے ان کے متکلمانہ طرز استدلال کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"اسلام نے انسان کے پیدا کئے جانے کا جو مقصد اور اس کی زندگی کا جو فریضہ بتایا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت ہے اور یہی وہ چیز ہے جس پر اس کی آخرت کی فلاح موقوف ہے، اللہ کی بندگی اور اطاعت کا نام آتے ہی فطری طور پر اللہ کے احکام اور مرضیات

---

[1] اسلام ایک نظر میں ص ۴۱ تا ۴۲

کا سوال سامنے آ کھڑا ہوتا ہے کیونکہ اطاعت احکام ہی کی ہوتی ہے، اور احکام کے بغیر اس کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا...... اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام و مرضیات کے جاننے کا ذریعہ کیا ہے؟...... اس کے جواب میں جن چیزوں کا نام لیا جا سکتا ہے ان میں سے ایک تو ہر شخص کی اپنی عقل ہے۔ لیکن ہر شخص کیا کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں جو بطور خود اپنی عقل سے یہ معلوم کرے کہ اس کی زندگی کے اور اس کائنات کے حقائق کیا ہیں؟...... دوسری چیز انسان کا اپنا وجدان اور اس کی قوت قلب ہے۔ لیکن اس قوت کا معاملہ بھی کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ ریاضت نفس کی کوئی بڑی سے بڑی کوشش بھی یہاں کوئی کارکردگی نہیں دکھا سکتی کیونکہ انسان اپنے باطن کو مانجھ کر چاہے کیسا ہی آئینہ کیوں نہ بنا لے اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام و مرضیات کا عکس آپ سے آپ ہرگز صاف نہیں دکھائی دے سکتا...... تیسری چیز فرد کے بجائے بہت سے افراد کا اجتماعی غور و فکر ہے لیکن جس طرح ہزاروں اور لاکھوں اندھے مل کر ایک آنکھ والے شخص کی حیثیت حاصل نہیں کر سکتے۔ اسی طرح افراد انسانی کی بڑی سے بڑی تعداد بھی احکام الٰہی کے دریافت کر لینے میں کامیاب نہیں ہو سکتی اس طرح ان تینوں ذرائع میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو انسان کی یہ ضرورت پوری کر سکے...... غرض اس معاملہ میں انسانی قوتوں کی بے بسی ایک مانی ہوئی حقیقت ہے جس کے خلاف نہ عقل کچھ کہہ سکتی ہے نہ تجربہ و مشاہدہ زبان کھول سکتا ہے۔ اس صورت حال کا مطالبہ واضح طور پر یہی تھا کہ اس معاملہ میں انسان کی اوپر سے رہنمائی کی جاتی......"[1]

نماز کی اہمیت اور اس کے فوائد مولانا صدر الدین اصلاحی نے مسلک ولی اللہ کے طرز کے مطابق عقائد کے پہلو بہ پہلو احکام اسلام کو بھی موضوع بحث بنایا ہے بالخصوص نماز پر انھوں نے بڑی مفصل بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اسلام کا دوسرا استون نماز ہے، یہ عملی ارکان میں سرفہرست ہے، دین میں اس کا جو مقام ہے وہ کسی بھی دوسرے عمل کا نہیں، مومن کا ہر کام اللہ کی بندگی کا ہوتا ہے مگر نماز جیسی بندگی کی شان کسی کام میں نہیں ہوتی، اس کا باطن ہی نہیں ظاہر بھی سراپا بندگی ہوتا ہے۔ نماز

---

[1] اسلام ایک نظر میں ص ۴۳ تا ۴۷

کی ہیئتوں کو دیکھئے اور اس کی دعاؤں، تسبیحوں اور قراءتوں پر غور کیجئے عاجزی و سرافگندگی کے اظہار کی کوئی ممکن شکل نہیں جو نماز کے ظاہر اور اس کے باطن میں موجود نہ ہو"[1]

مولانا صدرالدین اصلاحی نے نماز کے متعدد فوائد ذکر کئے ہیں مثلاً اجتماعی زندگی بسر کرنے کا شعور اور نظم وطاعت کی تعلیم، اخوت و بھائی چارگی اور مساوات کا احساس پیدا کرنا وغیرہ۔ انھوں نے شریعت میں مطلوبہ نماز کی وضاحت کرتے ہوئے بڑا والہانہ انداز بیان اختیار کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"مختصر لفظوں میں یوں سمجھئے کہ وہی نماز "قائم کی ہوئی نماز" ہوتی ہے جو ٹھیک وقت پر اور جماعت کے ساتھ پڑھی گئی ہو۔ ٹھہر ٹھہر کر اور باقاعدگی کے ساتھ ادا کی گئی ہو۔ جس کی قراتوں میں ترتیل اور توجہ الی اللہ کا پورا پورا اہتمام کیا گیا ہو۔ قیام اور رکوع وسجود لمبے لمبے کئے گئے ہوں۔ جسم پر ادب اور فروتنی چھائی ہوئی ہو اور ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ کہ دل اللہ کی یاد میں کھویا ہوا ہو اس کی خشیت سے بھرا ہو اور اس کے خشوع میں ڈوبا ہوا ہو۔ جس نماز میں ان باتوں کا اہتمام ہوگا صحیح معنوں میں وہی نماز ہوگی"[2]

غرض نماز کی حقیقت وافادیت پر مولانا صدرالدین اصلاحی کی تحریریں بڑی ایمان افروز اور دل آویز ہیں۔ مگر نہایت ادب کے ساتھ یہ بات عرض کی جارہی ہے کہ اس موضوع کو مولانا مرحوم جب اپنے مخصوص نقطۂ نظر کے پس منظر میں بیان کرتے ہیں تو کیفیت بدل جاتی ہے۔ چنانچہ راقم الحروف کی نظر میں مولانا صدرالدین اصلاحی کا درج ذیل فقرہ متکلمانہ اسلوب نگارش کے منافی ہے بلکہ کسی حد تک مخالفین اسلام کے اس غلط پروپیگنڈہ کو تقویت پہونچاتا ہے کہ اسلام جارحیت کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اگر خدانخواستہ کوئی نماز اس حد تک "روادار" ہوجائے تو اسے قانون کی زبان میں جو چاہے کہہ لیجئے مگر از روئے واقعہ اسے نماز کہنا بہت مشکل ہے۔ نماز اس لئے تو مشروع نہیں ہوئی تھی کہ حق وباطل کو گلے ملوادے بلکہ اس لئے مشروع ہوئی تھی کہ ان میں تلوار چلوادے۔"[3]

[1] اسلام ایک نظر میں ص ۶۸ تا ۶۹ [2] اسلام ایک نظر میں ص ۷۸ [3] اساس دین کی تعمیر ص ۳۲۸

اسلامی نظام حیات کی تفصیل مولانا صدرالدین اصلاحی نے نہایت تفصیل کے ساتھ اسلامی نظام حیات کو پیش کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اسلام انفرادی بود وباش اختیار کرنے کے بجائے اجتماعی زندگی بسر کرنے کی تعلیم دیتا ہے اس لئے اس میں رہبانیت کے لئے کوئی جگہ نہیں رکھی گئی ہے۔ اس موضوع پر مولانا صدرالدین اصلاحی نے اسلام کے روحانی، اخلاقی، عائلی، معاشرتی، معاشی، سیاسی اور قانونی نظام کی سرخیوں کے تحت مدلل بحث کی ہے اور اسلامی ریاست کے قیام کے مقصد کو نہایت حکیمانہ انداز میں اجاگر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"حکومت کا کام معاشرے میں انصاف قائم کرنا ہے اور یہ وہ مقصد ہے جس کے لئے کم سے کم اپنے ارادے اور دعوے کی حد تک ساری ہی حکومتیں قائم ہوا کرتی ہیں اور جو ایک حکومتی نظام کے وجود کو ناگزیر ٹھہراتا ہے (مگر قرآن مجید کی ایک آیت) اس عمومی مقصد پر ایک اضافہ کرتی ہوئی اسلامی حکومت کا منشا یہ بتاتی ہے کہ معاشرے کو نماز قائم کرنے والا، زکوۃ دینے والا اور معروف سے خود محبت رکھنے اور دوسروں کو اس کا حکم دینے والا اور منکر سے خود رکنے والا اور دوسروں کو اس سے روکنے والا بنایا جائے اور یہ وہ مقصد ہے جو اسلامی حکومت کا خاص اور امتیازی مقصد ہے جو کسی اور جگہ لفظوں اور دعووں کی حد تک بھی نہیں پایا جاسکتا۔"[1]

مولانا صدرالدین اصلاحی نے اسلامی نظام حیات کے متعدد ومتنوع پہلوؤں میں سرفہرست روحانی نظام کو رکھا ہے مگر دیگر پہلوؤں کے مقابلہ میں اس کی تفصیل زیادہ نہیں کی ہے تاہم مختصر لفظوں میں انھوں نے اس کی افادیت اور غرض وغایت کو بیان کردیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اس نظام کا مقصد یہ ہے کہ انسان، روح، نفس کی غلامی سے آزاد اور دنیا پرستی کی آلودگیوں سے پاک ہو رہے اور ان چیزوں سے آزاد اور پاک ہو کر اللہ کی اطاعت، اس کی محبت اور اس کی رضا جوئی کے جذبات سے سرشار ہو جائے"[2]

مولانا اصلاحی کا کہنا ہے کہ روحانیت کے سب سے بلند مقام کا نام اسلام کی زبان میں "احسان" ہے اور اس مقام بلند تک رسائی ارکان اسلام کی ادائیگی میں مضمر ہے۔ مگر اس

[1] اسلام ایک نظر میں ص ۱۹۰ تا ۱۹۱ [2] اسلام ایک نظر میں ص ۱۵۲

تشریح سے خود مولانا اصلاحی کا یہ نظریہ شکست کھا جاتا ہے کہ ارکانِ اسلام ہی تک عبادات کا دائرہ محدود نہیں ہے۔

مولانا اصلاحی اور تصوف متکلمین کا ایک اہم اور مشترک موضوع تصوف رہا ہے اور اس جماعت میں اکثریت اس کے مؤیدین ہی کی ہے۔ مگر اس کی تردید و مخالفت بھی اس حلقہ سے کی گئی ہے جن میں سرفہرست علامہ ابن تیمیہؒ ہیں۔ مولانا صدرالدین اصلاحیؒ، علامہ ابن تیمیہؒ کے ہم مسلک ہیں چنانچہ ان کے نزدیک تصوف اور اہل تصوف کا طریقہ کار دین کی تفہیم و تشریح کے لئے غیر متوازن اور نامکمل ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اہل تصوف کے یہاں ایمان کو جلا دینے اور دل کا تزکیہ کرنے کا ٹھیٹ قرآنی اور مسنون انداز اختیار نہیں کیا جاتا بلکہ زیادہ زور جذبات محبت کو ابھارنے اور باطنی کیفیات کو حاصل کرنے پر صرف کیا جاتا ہے۔ اس میں عقلی پہلوؤں کے ذریعہ ایمانیات کی جڑیں مضبوط کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی''۔[1]

مولانا صدرالدین اصلاحی نے نہایت اہتمام کے ساتھ تصوف کے فاسد عناصر کی نشاندہی اپنی تصنیف ''دین کا قرآنی تصور'' میں کی ہے۔ مگر اس کے مطالعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ معتدل صوفیہ اور مولانا کے نقطۂ نظر میں اصلاحی تعبیرات کے علاوہ کوئی معنوی فرق و تباین نہیں ہے۔ چنانچہ وہ قرآن کی مطلوبہ عبادت کا مفہوم و مدعا نہایت تفصیل سے بیان کرتے ہوئے خلاصہ کلام کے طور پر یہ بتاتے ہیں کہ:

''اس طرح انسان کا مقصد پیدائش قرآنی ارشاد کے مطابق یہ ہوا کہ وہ اپنے خدا کے حضور اپنے باطن میں بھی اور اپنے ظاہر میں بھی پوری طرح جھک جائے۔ اپنے آپ کو اس کی مرضیات کے حوالہ کر دے۔ اس کے احکام و ہدایات کا صدق دل سے پابند ہو رہے''۔[2]

ہمارے ناقص خیال میں اگر وسعت نظر سے کام لیا جائے تو یہ بعینہ وہی مفہوم ہے جس کو مشائخ صوفیہ اپنی اصطلاح میں شریعت و طریقت کے تلازم سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی طرح اہل تصوف کی مروج اصطلاح عشق الٰہی کو مولانا اصلاحی نے بجا طور پر تنقید کا نشانہ بنایا

[1] اساس دین کی تعمیر ص ۳۱ تا ۳۲ [2] دین کا قرآنی تصور ص ۳۰

ہے کہ اس لفظ کا استعمال قرآن مجید میں مطلقاً نہیں کیا گیا ہے۔ مگر لفظ محبت اور عشق کے اصطلاحی فرق کے علاوہ باوجود کوشش کے وہ ان میں کوئی معنوی فرق بتانے سے قاصر نظر آتے ہیں[1] اور لطف کی بات یہ ہے کہ مولانا صدرالدین اصلاحی محبت الٰہی کا جو مفہوم بتاتے ہیں اس کی تائیدی شہادت میں مشائخ صوفیہ کے اقوال بھی پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

''امام غزالی کہتے ہیں کہ

الاطاعة تبع الحب وثمرته اللہ کی اطاعت اس کی محبت کا تقاضا اور ثمرہ ہے۔

حد یہ ہے کہ بعض اہل علم کے نزدیک تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس کی محبت کا ثمرہ نہیں بلکہ عین محبت ہے۔ یعنی وہ اطاعت الٰہی اور محبت الٰہی دونوں چیزوں کو ایک ہی حقیقت کی دو مختلف تعبیریں قرار دیتے ہیں جیسا کہ قاضی عیاض کا بیان ہے

قیل محبتهم له استقامتهم علی الطاعة ایک رائے یہ ہے کہ بندوں کی اللہ سے محبت یہ ہے کہ وہ اس کی اطاعت پر مضبوطی سے جمے رہیں۔

چنانچہ حضرت سہل تستریؒ اللہ تعالیٰ کی محبت کی یہی تعریف کرتے ہیں۔

الحب معانقة الطاعة ومباينة المخالفة محبت نام ہے اللہ کی اطاعت سے چمٹ جانے اور اس کی ممانعت سے کنارہ کش ہو جانے کا

گویا اس سلسلے میں اگر کوئی اختلاف ہے تو صرف اس بات کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وفاشعارانہ اور محکم اطاعت آیا اس کی اصل محبت ہی کا دوسرا نام ہے یا وہ اس محبت کا لازمی ثمرہ ہے اور اطاعت کے بغیر محبت کا وجود قابل تصور ہی نہیں۔ امام قشیریؒ نے کتنی عمدہ بات فرمائی ہے کہ:

ان من اجل الكرامات التی تكون للاولياء دوام التوفيق للطاعات والعصمة عن المعاصی والمخالفات اولیاء اللہ کی سب سے بڑی کرامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی دائمی توفیق مل جائے اور وہ اس کی نافرمانیوں اور مخالفتوں سے محفوظ ہو جائے۔[2]

[1] دین کا قرآنی تصور ص ۷۳ تا ۷۷ [2] اساس دین کی تعمیر ص ۷۸ تا ۸۰

تعجب ہے کہ ایک طرف مولانا صدرالدین اصلاحیؒ مشائخ صوفیہ کا مسلک محبت یہ بتاتے ہیں جو سطور بالا میں گذرا ہے اور دوسری طرف ان کی اصطلاحی تعبیر کو محبت کا مترادف ماننے پر ان کو بشدت انکار ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس کی ایک توجیہ جو عام طور پر اہل تصوف نقل کرتے ہیں ذکر کی کہ یہ دونوں لفظاً مترادف نہیں بلکہ ایک ہی سمت کی دو منزلیں ہیں مگر اس کو رد کرتے ہوئے انھوں نے اس پر یہ تبصرہ کیا کہ:

''سوچنے کا یہ انداز بظاہر بڑا معقول اور مدلل معلوم ہوگا لیکن یہ فی الواقع ایک سطحی قسم کی خیال آرائی کے سوا اور کچھ نہیں۔''[۱]

حرف آخر مولانا صدرالدین اصلاحی کی متکلمانہ تحریروں کا مختصر تعارف سطور بالا میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ قرآن مجید کے طرز استدلال کو مدنظر رکھ کر مولانا مرحوم نے اسلامی عقائد اعمال کی جو تشریح و توضیح کی ہے وہ اردو زبان میں علم کلام کا ایک اہم اور قابل قدر سرمایہ ہے۔ البتہ مولانائے مرحوم کی وہ تحریریں جن کے ذریعہ مخصوص نقطۂ نظر کی تائید بہم پہونچائی گئی ہے ان سے بہر حال اتفاق واختلاف دونوں کی گنجائش ہے۔

۱۔ دین کا قرآنی تصور ص ۷۵

ہماری نئی مطبوعات

جنگ آزادی میں مسلمانوں کی قربانیاں / حیدر علی	50/-	اے ایمان والو / محمد مرتضیٰ جاں	12/-
غرور وتکبر کا علاج / امام غزالی	25/-	خدا کے لئے خرچ کرو	12/-
حب دنیا اور مال کی محبت اور اس کا علاج / امام غزالی	22/-	مسلم خواتین کا کردار اسلامی تعلیمات کی روشنی میں / احسن ترابی	15/-
صبر وشکر اور توجہ کی فضیلت / امام غزالی	28/-	مسلم خواتین اور تحریک اسلامی	8/-
غصہ، حسد، کینہ اور ریاکاری کا علاج / امام غزالی	22/-	لطائف اشرفی / حضرت مخدوم اشرف سمنانیؒ (مکمل سیٹ)	450/-
زبان کی آفتیں / محمد ظہیر احمد	16/-	نگریا سے علاج (طب نبوی کا لاجواب تحفہ)	20/-
ہندوستان میں تبلیغ اسلام کی اولین کوششیں / احسن عثمانی	6/-	مجموعۂ اذن ودا (طب نبوی کا لاجواب تحفہ)	7/-
حضرت لقمان کی نصیحت بیٹے کے نام	6/-	شوگر (ذیابیطس) اور اس کا علاج / الحکیم محمد چوہان	50/-
قبر کا آنکھوں دیکھا حال / ڈاکٹر نور احمد	5/-	بلڈ پریشر کا کامیاب علاج	15/-

تفصیلی فہرست کتب مفت طلب فرمائیں۔ دانش بک ڈپو، ٹانڈہ، امبیڈکر نگر (یو.پی) 224190

برصغیر میں فکر اسلامی کے ارتقاء میں مولانا صدرالدین اصلاحیؒ صاحب کا حصہ

ظفر یف شہباز فلاحی ندوی

۳ے/۳۵، سیکنڈ فلور، ڈاکٹر پی این ورمارروڈ، امین آباد، لکھنؤ (یو.پی)

قرآن اور سنت صحیحہ پر اسلام کی پوری عمارت کھڑی ہے جن میں قرآن اصل اور مرجع حقیقی کی حیثیت رکھتا ہے سنت صحیحہ اسی کی شرح وتوضیح کرتی ہے، ان دونوں کے متن کی شرح، توجیہ وتوضیح کے سلسلہ میں جو کوششیں کی گئی ہیں انہیں کے مجموعہ کو فکر اسلامی یا ثقافت اسلامیہ سے تعبیر کر دیا جاتا ہے[۱] یعنی اسلام کا چودہ سو سالہ ثقافتی سرمایہ جس میں تفسیر، حدیث، فقہ وکلام، تاریخ وسیر اور ادب ولغت اور ان سے متعلقہ دوسرے ذیلی علوم شامل ہیں۔ فکر اسلامی بے بلاشبہہ وہ انسانی اجتہادات، آرا وتشریحات کا بیش قیمت سرمایہ ہے۔ تاہم وہ بذات خود حجت اور دلیل قطعی نہیں ہے لہذا اس میں ہر دور میں اضافہ ہوتا رہا ہے تصحیح مفاہیم کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ احیاء واجتہاد تجدید وتطہیر کا عمل جاری رہا ہے۔ برصغیر کو اس لحاظ سے ایک ممتاز مقام حاصل ہے کہ وہ گذشتہ تین صدیوں سے پورے عالم اسلام کی فکری قیادت کرتا رہا ہے جس کی ابتداء امام ولی اللہ الدہلوی اور انکے خانوادے سے ہوتی ہے اس فکری قیادت کا تسلسل بعد کے زمانے میں مختلف مکاتب فکر کی شکل میں سامنے آیا، اور اس تحتی براعظم میں اصلاح و تجدید کی جتنی بھی کوششیں ہوئی ہیں بلا مبالغہ سب نے مدرسہ ولی اللہی سے استفادہ کیا ہے۔

اسی تسلسل کی ایک شکل دیوبند کی تحریک تھی اور ایک علی گڑھ کا فکری اسکول جس کے بیچ کی ایک راہ ندوہ نے نکالی تھی ندوہ کے فکری مؤسس شبلی تھے[۲] انہیں کے ممتاز شاگرد ابوالکلام آزاد تھے، جنھوں نے مولانا فراہیؒ کی قرآنی بصیرت سے بھی فیض اٹھایا تھا اور قرآنی دعوت کا فکر بڑی بلند آہنگی کے ساتھ اٹھایا تھا تاہم جس ولولہ وجوش کے ساتھ انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کو جھنجوڑا تھا ایک وقتی حادثہ کے نتیجہ میں وہ اتنی ہی تیزی کے ساتھ ہندی قومیت کی گود میں گرتے چلے گئے، لیکن ان کے فکری تسلسل کو ابوالاعلیٰ مودودی نے نہ

جس طرح چاہے آزمالے (ایضاً ۱۷۵) مولانا اسماعیل شہید فرماتے ہیں "اس حب عشق کا بالذات تقاضا صرف یہ ہے کہ بشریت کا پردہ چاک ہو جائے اور روح الٰہی اپنی اصل سے جا ملے" (صراط مستقیم ص ۱۰) یہیں سے اب اصل کام یہ ٹھہرتا ہے کہ انسان دنیا کو محض جنجال اور قید خانہ تصور کرے اس سے چھٹکارا پا کر غاروں اور جنگلوں میں بسیرا کرلے، اپنے مادی علائق کو کم کرتے کرتے بالکل ختم کردے۔ خواہشات کا یک قلم گلا گھونٹ دے۔ دنیا و مافیہا سے بے تعلق ہو جائے اور تجرد کی زندگی گذارے، جب وہ ایسا کرلے گا تو وہ خدا سے بے لوث محبت کرسکتا ہے حتی کہ عبادت کرتے ہوئے بھی وہ کسی ثواب اور جنت وغیرہ کی کوئی خواہش وتمنا نہ رکھے، اس کے بغیر وہ اعلیٰ مراتب تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہی وہ تصور ہے جس کے مظاہر معاشرہ پر چھائے ہوئے ہیں اور جسے پکی اور سچی دینداری سمجھا جاتا ہے اور جو اس پر عمل کرتا ہے جس پر جذب ومستی وبے خودی کی کیفیات طاری ہو جاتی ہیں وہی دراصل ولی اللہ خیال کیا جاتا ہے لیکن یہ تصور جتنا عام ہے کیا وہ اپنے پیچھے قرآن وسنت کی دلیل بھی رکھتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کیا قرآنی تصور دین بھی یہی ہے؟ یہ کتاب اسی سوال کے جواب کی ایک غیر جانب دارانہ اور معروضی کوشش ہے۔

اس کی رو سے قرآن کا تصور دین یہ ہے کہ خدا اور انسان کے مابین عبودیت کی نسبت ہے نہ کہ عشق کی اور خدا کا تعلق بندے سے رحمت وربوبیت کا ہے اور انسان جذبہ شکر کی بنیاد پر اپنا رشتہ خدا سے استوار کرتا ہے اور یہی اصل مطلوب ہے تاہم عبودیت کا یہ تعلق وارفتگی اور محبت کے جذبات سے خالی نہ ہوگا، اسی اعتبار سے خدا بندے کا معبود ومسجود بھی ہے محبوب ومطلوب بھی اور انسان سے اصل مطالبہ یہ ہے کہ وہ اسی دنیا میں رہتے ہوئے تقویٰ کی زندگی گذارے نہ یہ کہ زندگی کے ہنگاموں سے راہ فرار اختیار کرے، یہ دنیا اس کے عمل کی جگہ اور امتحان گاہ ہے اور آخرت میں اس کا نتیجہ وبدلہ ہی اس کے سامنے آئے گا لہٰذا اسے آخرت میں اپنی نجات کی فکر کرنی چاہئے حقیقت یہ ہے کہ تحریک اسلامی کے پورے فکری سرمایہ میں یہ کتاب بنیادی اہمیت رکھتی ہے اس سے نہ صرف یہ کہ دین کے صحیح اور حقیقی تصور تک رسائی ہوتی ہے بلکہ تصوف کے بارے میں غور کرنے کا سیدھا راستہ بھی معلوم ہو جاتا ہے۔

دین کی اصل روح خدا اور بندے کے مابین صحیح تعلق کا قائم ہونا ہے اور وہ عبودیت کا تعلق ہے جس کے اصل معنی پرستش اور تذلل کے ہیں لفظ اللہ سے بھی یہی مفہوم متبادر ہوتا ہے اس کے ثانوی مفہوم میں اطاعت کا تصور بھی پایا جاتا ہے تاہم اطاعت وعبادت کے معنی میں جوہری فرق موجود ہے اطاعت عبادت کا ایک مظہر ہے نہ کہ اس کی حقیقت میں داخل[5] تمام انبیاء کی دعوتوں کا نقطۂ آغاز عبادت الٰہی کی دعوت سے ہوتا تھا اسی مہم کے اگلے مراحل میں اظہار دین ہجرت جہاد فی سبیل اللہ اور انزار وتبشیر وغیرہ گویا اصل آغاز توحید وعبادت الٰہی کی دعوت سے ہوگا اور نقطۂ ارتکاز فرد کا تزکیہ اور اسے آخرت کے عذاب سے نجات دلانا ہوگا۔ باقی جتنی چیزیں ہوں گی وہ سب انہیں دونوں کے تابع ہوں گی۔ اس پوری مہم کا اخروی نتیجہ جو مومن کی پوری زندگی کا ماحصل بھی ہے وہ حصول جنت اور خدا کی خوشنودی کا حصول ہے دوسرا نتیجہ دنیوی اعتبار سے ہوگا یعنی غلبۂ دین حق جس کا محسوس اور مادی مظاہرہ ہوگا "الحکم" اور خلافت اسلامیہ کے قیام کی شکل میں اس دعوتی مہم میں حسب ضرورت ہجرت وجہاد کے مراحل بھی آئیں گے اور بالآخر دین اللہ بطور ایک نظام کے اجتماعی شکل میں نفاذ کا مرحلہ آئے گا دین کا یہ تصور بہت واضح ہے تاہم جب اس میں غلو وانحراف پیدا ہوتا ہے تو اس کے دنیاوی غلبہ کا مفہوم ذہن سے بالکل نکل جاتا اور دین ایک پرائیویٹ معاملہ بن کر رہ جاتا ہے جیسا کہ برصغیر کی بیشتر دینی جماعتوں اور صوفیاء کے زیر اثر حلقوں میں یہی تصور پایا جاتا ہے اور اس میں غلو وانحراف کے مظاہر بالکل واضح ہیں ایسے میں مولانا مودودیؒ نے دین کا بالکل واضح تصور پیش کرنے کی کوشش کی اور مولانا اصلاحیؒ کی دو کتابیں اساس دین کی تعمیر اور اسلام ایک نظر میں اصلاً اسی کی تکمیل کی کوششیں ہیں ان میں مولانا منطقی استدلال کے ہتھیار سے پوری طرح مسلح ہیں اور اپنے عمیق علمی اسلوب اور سنجیدہ زبان وتحقیقی معیار کے ساتھ انہوں نے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے اس سلسلہ میں انہوں نے کنفیوژن پیدا کرنے والی نئی اصطلاحات وتعبیرات سے اپنا دامن پوری طرح بچایا ہے۔

حقیقت نفاق بھی مولانا کی ایک اہم تحریر ہے اس میں انہوں نے نفاق عقیدہ وعمل میں فرق کیا ہے نصوص قرآن وسنت کی روشنی میں نفاق کے مختلف درجات کی نشاندہی کی اور

یہ کہ مختلف ادوار میں کس کس طرح کا نفاق پایا جاتا رہا ہے اس تعلق سے امت مسلمہ کی موجودہ صورت حال کا تجزیہ بھی کیا ہے نیز نفاق کی علامتیں خصائص واثرات اور معاشرہ پراس کے مفاسد ومہلکات پر بھرپور روشنی ڈالی ہے اس لحاظ سے فکر اسلامی کے لٹریچر میں ایک وقیع اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

تحریک اسلامی ہند مولانا کی ایک اور تصنیف ہے، جو عمومی معنی میں تو جماعت اسلامی ہند کا تعارف ہے لیکن اس کی اصل اہمیت یہ ہے کہ وہ ایک اصولی کتاب ہے جو جزوی مباحث کو چھیڑے بغیر کلیات سے بحث کرتی ہے اس طرح غیر جانبدار قاری کے سامنے ایک آئینہ آجاتا ہے جس سے وہ کسی بھی وقت تحریک کی کامیابی وناکامی اور اس کے اصل موقف اور حقیقی دعوت کا جائزہ لے سکتا ہے، اور اس کے لئے یہ فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ تحریک اپنی دعوت اور عملی طریقہ کار میں کن ارتقائی منزلوں سے گذرتی رہی اور اس کے موقف میں کیا تبدیلی آئی، یہ کتاب ان لوگوں کے لئے جن کے لئے تحریک ابھی تک ایک بند کتاب ہے تحریک کے پس منظر، مقاصد اور طریقہ کار سے واقف کراتی ہے، اسی طرح اس میں انبیائی دعوتوں اور غیر انبیائی تحریکوں میں فرق وامتیاز پر بھی بحث کی گئی ہے، اس سلسلہ میں مارکیٹ کے اندر چھوٹی بڑی درجنوں کتابیں پائی جاتی ہیں تاہم اس کتاب کی انفرادیت اس کی موضوعیت، سنجیدگی اور مدلل انداز بحث ہے جو مصنف کی دوسری تحریروں کی طرح اس میں بھی بدرجہ اتم پایا جاتا ہے حالانکہ اس موضوع پر فطری طور پر ان کے لئے جذباتی اسلوب اختیار کرنے کے اسباب کہیں زیادہ تھے لیکن بڑی حیرت انگیز بات ہے کہ انہوں نے کتاب کو جذباتیت اور جوش بیان سے پوری طرح محفوظ رکھا ہے اس سے مصنف کی علمی جلالت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

''قرآن مجید کا تعارف'' متوسط درجہ کی ایک مختصر سی کتاب ہے جو اصلاً قرآن کے سلسلہ میں عام ذہنوں میں اٹھنے والے چند سوالات کے جواب کے طور پر لکھی گئی ہے مثلاً یہ کہ یہ کتاب فی الواقع خدا کی آخری کتاب ہے کیا وہ ٹھیک ٹھیک اسی شکل میں اب تک محفوظ چلی آرہی ہے جس شکل میں اس کے لانے والے پیغمبر نے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا؟

اس کے نزول کی اس کی ترتیب وتدوین کی اور اس کی حفاظت ونشر واشاعت کی تاریخ کیا ہے؟ (صفحہ ۵ مقدمہ کتاب) اس میں مصنف نے بالترتیب قرآن مجید کی حیثیت، نزول اور تدوین، محفوظیت، انداز بیان اور اہم اصطلاحات نسبۃً سادہ انداز میں بیان کردی ہیں اور اصلاً یہ مباحث غیر مسلم ذہن کو سامنے رکھ کر لکھے گئے ہیں تاہم اس میں متعلقہ مباحث کے بارے میں بعض نئے گوشے اجاگر ہوتے ہیں ان مباحث پر مفصل کتابیں موجود ہیں۔ اس لئے کتاب کی اگر کوئی خصوصیت ہے تو وہ اختصار وجامعیت کے ساتھ اس کی ترتیب ہے۔

اسلام اور اجتماعیت:

ملت کے اجتماعی کردار کا احیاء اور اس کی تنظیم کا سلسلہ دینی تصورات میں ایک اہم مسئلہ ہے وہ صرف ایک مسئلہ ہی نہیں بلکہ فی الواقع متعدد مسائل کا جامع اور فی زمانہ ملت اسلامیہ کی شہ رگ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے، تاہم اتنے اہم مسئلہ اور اس کے عملی مطالبات سے مسلمان افسوس ناک حد تک بے گانے ہو چکے ہیں اور اگر کچھ لوگ اتحاد مسلمین کے لئے سوچتے ہیں تو ان کے سامنے یہ چیز واضح نہیں کہ مسلمان متحد ہوں تو کس طرح ہوں؟ کن بنیادوں پر ہوں؟ دین میں مطلوب اجتماعیت فی الواقع ہے کیا؟ اور وہ کس حد تک مطلوب ہیں کیوں مطلوب ہے؟ مولانا کی جامع اور مختصر کتاب دراصل انہیں سوالوں کا جواب ہے جس میں انہوں نے اسلام میں اجتماعیت کا مقام، اسلامی اجتماعیت کا مسئلہ، ملی انتشار کے ماحول میں وحدت ملی کی بحالی کے دینی تقاضے اور عملی لائحہ عمل کیا ہو سکتا ہے ان مسائل پر مدلل روشنی ڈالی ہے۔

مولانا جس عظیم علمی مرتبہ پر فائز تھے اس سے بجا طور پر یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ فکر فراہی پر بھی کوئی کام کریں گے جماعتی فکر اور مکتب فراہی کو ایک سمجھنے والے اس کی توجیہ یہ کریں گے کہ دونوں میں کوئی مغایرت نہیں ہے اس لئے مولانا کی تصنیفات فکر فراہی کی بھی نمائندگی کرتی ہیں تاہم بہت سے ذہنوں کو یہ بات اپیل نہ کر سکے گی، اس ضمن میں یہ سوال بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ وہ کیا اسباب تھے جنہوں نے مولانا کو ایک مفسر کی بجائے ایک ملخص بنا دیا۔

جہاں تک مولانا کی زبان اور اسلوب بیان کا تعلق ہے تو وہ مولویانہ زبان نہیں بلکہ اعلیٰ معیار کی ایک علمی زبان ہے سادہ، بامحاورہ، اور برجستگی لئے ہوئے ہے۔ انہوں نے

چونکہ عام طور پر دقیق مباحث پر قلم اٹھایا ہے اور ان کا اسلوب خطابی نہیں بلکہ علمی اور کلامی ہے اس لئے ان کی تحریریں کسی قدر خشک اور دقیق معلوم ہوتی ہیں ان کے اسلوب میں ایک دھیما پن، روانی اور تسلسل ہے ان کا کلامی امتیاز یہ ہے کہ وہ جس بحث کو چھیڑتے ہیں اس کے مالہ وماعلیہ کا استیعاب کرتے ہیں اور موضوع کی متانت اور سنجیدگی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، انہیں جس فکر و خیال کی تردید کرنی ہوتی ہے اسے بھی بحیثیت منطقی انداز میں کرتے ہیں علمی بحث میں وہ جوش بیان اور لفظی تقریر سے آخری حد تک دور رہتے ہیں اور بحث کے آخر تک Soberness کو برقرار رکھتے ہیں حالانکہ یہاں آکر اچھے اچھے اہل قلم بہہ جاتے ہیں۔ علماء کے حلقہ میں راقم کے علم کی حد تک ابھی تک یہ صفت مولانا ہی کے اندر دیکھنے کو ملی، حتی کہ وہ اس معاملہ میں مولانا مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں اس لئے کہ مولانا مودودی کا قلم بسا اوقات علمی بحث کے عین اثناء میں شوخی پر اتر آتا ہے اسی طرح مولانا امین احسن اصلاحی جوش خطابت میں اور کہیں جذبات میں بہنے لگتے ہیں۔

مولانا صدرالدین اصلاحی جماعت اسلامی کے اکابر اور ملک کے ممتاز علماء میں سے تھے بلاشبہ فکر اسلامی کے بعض پہلوؤں پر جماعت اسلامی کی خدمات نہایت قابل قدر ہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جماعت اب بھی ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے اتنی غیر معروف ہے کہ وہ ان کے لئے ایک چیستاں ہے علماء کا طبقہ اسے ابھی تک ایک بدعت کی حیثیت سے دیکھتا ہے ایسی صورت میں جماعت کے علماء و مصنفین امت کے لئے عام طور پر قابل قبول نہ بن سکے۔ اور ان کا حلقہ اثر نہایت محدود ہو کر رہ گیا۔ مولانا کے فکری و علمی سرمایہ کے تعلق سے یہ کہنا راقم کے خیال میں بے جانہ ہوگا کہ اگر وہ جماعتی حدود سے باہر نکل کر لکھتے تو شاید اسلام کی زیادہ بڑی خدمت انجام پا جاتی کیوں کہ ان کی چند ایک کتابوں کو چھوڑ کر باقی سب جماعتی اور تنظیمی دائرہ میں محدود ہو گئی ہیں جب کہ فکر اسلامی کی تشکیل جدید کا کام ایسا ہے جو کسی جماعت، تنظیم مسلک اور ادارہ کے حدود و پابندیوں سے باہر رہ کر ہی کیا جا سکتا ہے واضح رہے کہ یہ بات صرف مولانا ہی تک محدود نہیں بلکہ برصغیر میں بالخصوص آزادی کے بعد مجموعی طور پر ہماری دینی و فکری قیادت تنظیمی و جماعتی چوکھٹوں سے باہر نہیں نکل پائی۔ نتیجہ یہ ہے اپنی ذات میں بہت سی عبقری شخصیات و صلاحیتیں ملت

میں پیدا ہوئیں لیکن وہ جماعتی تعصبات اور مسلکی حدود و قیود کی نذر ہو گئیں۔

راقم الحروف کے ناقص خیال میں امت مسلمہ کا احیاء اور Rivival امتی بنیادوں پر ہی ہو سکتا ہے، چھوٹے چھوٹے تنگ دائروں اور محدود فکری مکاتب کے ماحول میں یہ کام ممکن نہیں انیسویں صدی سے پہلے امت میں اصلاح و تجدید کی عام روایت یہی رہی ہے بتقریباً تمام ہی مصلحین و مجددین پوری امت کو من حیث الامت مخاطب کرتے تھے اور ان کا فکری و علمی سرمایہ سب کی مشترکہ میراث ہوتی تھی، بیسویں صدی میں غالباً خارجی اثرات کے ماتحت امت میں جماعتوں اور تنظیموں کے قیام کی شکل میں ایک نئی روایت کا آغاز ہوا، بلاشبہ بعض اعتبارات سے ایسا کرنا ناگزیر تھا اور اس کے بہت سے جزوی فائدے بھی ہوئے، تاہم مجموعی لحاظ سے ان کے منفی اثرات زیادہ ہی نظر آتے ہیں اس لئے کہ اس عمل سے امت میں مزید نئے تعصبات وجود میں آگئے انتشار میں کچھ اور ہی اضافہ ہو گیا اور ایسا ہونا اس کا ناگزیر نتیجہ تھا بیسویں صدی میں بلکہ امام ولی اللہ دہلوی کے بعد ہی سے عالم اسلام میں ایسے لوگ خال خال ہی نظر آتے ہیں جنہیں پوری امت کا مشترکہ سرمایہ قرار دیا جائے ان میں سرفہرست حکیم مشرق علامہ اقبال اور مدرسۂ اقبال کے بالغ نظر تلمیذ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی مرحوم، مجدد علوم سیرت ڈاکٹر حمید اللہ اور معاصر اسلامی دنیا میں اسلام کے مایہ ناز مفکر اسرار عالم ہیں حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی شخصیات کے اثرات دیرپا ہوتے اور پوری امت کو متاثر کرتے ہیں کیوں کہ جماعتیں اور تنظیمیں اپنے سفر کا آغاز تو بڑے ولولے اور قربانیوں کے ساتھ کرتی ہیں لیکن ان کے سابقون اولون کے گذر جانے کے بعد نئی نسل زمانے کے جبر کے سامنے ہتھیار ڈالنے لگتی ہے اور تیسری پیڑھی کے آتے آتے وہ فقط ایک روایت بن کر رہ جاتی ہے اور زندگی بخش محرکات سے تہی دامن ہو کر اپنے ماضی کی عظمتوں میں گم اور فکری و عملی جمود میں مبتلا ہو جاتی ہیں نوجوان نسل باریش بزرگوں سے مایوس ہو کر نئی راہیں ڈھونڈ لیتی ہے اس طرح تنظیمات در تنظیمات کا سلسلہ چل پڑتا ہے معاصر اسلامی تحریکات میں کم و بیش یہی صورت حال نظر آتی ہے خاص طور پر اخوان میں یہ چیز زیادہ ہوئی۔ اس لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا اصلاحیؒ کا فکری و عملی سرمایہ جماعتی لیبل لگ

جانے کی بنا پر اس کے اثرات خاصے محدود ہو گئے اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو شاید ان کی تحریریں امت مسلمہ کا مشترکہ سرمایہ بن جاتیں۔

اصلاحی برادری سے متعلق عام طور پر کہا جاتا ہے کہ انہیں حدیث وفقہ میں درک نہیں ہوتا، یہ بات مطلقاً صحیح نہیں معلوم ہوتی ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ عام طور پر اصلاحیوں نے قرآنیات کے میدان پر توجہ مرکوز رکھی ہے لیکن اگر ایسا ہے بھی تو مولانا اصلاحیؒ کا اس میں استثناء ہے کیوں کہ ان کی کتابوں میں بالخصوص اختلافی مسائل میں استدلال کی راہ سے حدیث سے گہرا تعلق اور غیر معمولی تفقہ پایا جاتا ہے اس کتاب میں مولانا نے اہل الحدیث اور اہل الرائے نیز مذاہب اربعہ کے نشوء وارتقاء اور ان کے مابین فقہی نزاعات واختلافات کے سلسلہ میں امام ولی اللہ مجدد دہلوی کے افادات ترتیب دے ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے مجدد دہلوی کے علوم کا بھی اچھا مطالعہ کیا تھا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مولانا صدر الدین اصلاحی کی علمی وفکری کاوشیں فکر اسلامی کے سرمایہ میں ایک گراں قدر اضافہ اور فکری میدان میں برصغیر کی قیادت کی روایت کا ایک اہم حصہ ہیں ضرورت یہ ہے کہ اس کے اہم حصوں سے عالم اسلام کو روشناس کرایا جائے۔

مراجع

(۱) ملاحظہ ہو تجدید الفکر الاسلامی، عبد الحمید ابو سلمان، مقدمہ کتاب

(۲) ندوۃ العلماء کے بانی گرچہ مولانا مونگیری تھے لیکن مدارس کے نظام تعلیمی میں تبدیلی اور جمع بین القدیم والجدید کا خیال اصلاً شبلی ہی کا تھا۔

(۳) ابوالکلام آزاد نے ہی برصغیر میں عوامی طور پر سب سے پہلے الہلال کے ذریعہ قرآنی دعوت کی صدا بلند کی تھی اور اس کے لئے حزب اللہ بنائی تھی۔

(۴) مراد ہے **Reconstruction of Religious Thoughts in Islam**

(۵) عبادت صرف خدا کی ہو سکتی ہے جب کہ اطاعت مخلوق کی بھی ہوتی ہے البتہ کبھی عبادت کا اطلاق اطاعت پر بھی ہوتا ہے اسی لئے لغت کی کتابوں میں عبادت کا ایک مفہوم اطاعت بھی آتا ہے قرآن نے بھی اس معنی میں استعمال کیا ہے۔

مولانا مرحوم کے اہم مضامین کی کتابی شکل میں اشاعت پیش نظر ہے، اس منصوبے میں جو لوگ حصہ لے سکتے ہوں مطلع فرمائیں۔ (ادارہ)

ضیاء الہدیٰ صاحبؒ اور صدر الدین اصلاحیؒ صاحب کی خط وکتابت

ترتیب: راشد خیر، پٹنہ

محترم ڈاکٹر ضیاء الہدیٰ صاحب مرحوم کی تحریکی فکر پر مبنی دو کتابچوں ''انقلابی تحریک'' اور ''اسلامی معاشرہ'' میں سے مؤخر الذکر ان کے اور مولانا محترم صدر الدین اصلاحی مرحوم کے مابین فکری تبادلہ خیال کا بڑا ذریعہ رہا ہے۔ ''اسلامی معاشرہ'' نامی یہ کتابچہ جب برائے نظر ثانی مولانا محترم کے پاس بھیجا گیا تو انہوں نے اکثر مقامات پر اس میں حذف واضافہ کیا اور اس دوران جو خط وکتابت ہوئی اس میں تحریک اسلامی سے متعلق مولانا محترم نے اپنے موقف کا بہ صراحت اظہار کیا کیوں کہ ڈاکٹر ضیاء الہدیٰ صاحب مرحوم کے جماعت اسلامی سے استعفاء کا معاملہ بھی اسی زمانہ میں پیش آیا۔

اس کتابچہ کی نظر ثانی کے دوران لکھا گیا ایک خط

پھول پور۔ اعظم گڑھ

۲۰/اپریل

برادر مکرم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ خدا کرے بخیر وعافیت ہوں۔

گرامی نامہ موصول ہوا۔ دوڈھائی ماہ سے خرابی صحت اور ضعف ونقاہت میں مسلسل اضافے کے باعث اگرچہ کچھ لکھنے پڑھنے میں بڑی زحمت محسوس کرتا ہوں اور طبیعت اس کے لئے ذرا بھی آمادہ نہیں ہوتی، لیکن کسی نہ کسی طرح آپ کے مضمون کو تھوڑا تھوڑا دیکھتا رہا ہوں۔ تھوڑا سا کام باقی رہ گیا ہے۔ کوشش کروں گا کہ ہفتہ عشرہ کے اندر اندر اسے بھی نپٹا دوں۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے طاقت اور توفیق عطا فرمائے۔

آپ نے اپنے مضمون میں جو یہ نقطہ نظر اختیار کیا ہے کہ دعوت اسلامی کے کام کے تین مرحلے ہوتے ہیں۔ پہلے مرحلے میں وہ السابقون کی ٹیم تیار کرتی ہے، دوسرے مرحلے

میں مقتدین کی ٹیم، اور آخر میں کمزور ترین مسلمانوں کی ٹیم، یہ بات مجھے صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ دعوت اسلامی اس طرح بالارادہ مراحل کی تعیین نہیں کرتی نہ اس طرح یکے بعد دیگرے ترتیب کے ساتھ ٹیمیں تیار کرتی ہے۔ اس کی تمنا تو یہ ہوتی ہے کہ سارے ہی اہل ایمان السابقون کے معیار کے مومن بنیں۔ لیکن عملاً ایسا ہوتا نہیں، بلکہ ہوتا یہی ہے کہ ابتدائی دور کے بعد تینوں ہی قسم کے لوگ دائرہ اسلام یا حلقہ دعوت میں موجود پائے جانے لگتے ہیں، خواہ ان کا باہمی تناسب کچھ بھی ہو۔ اور ایسا ہونا ایک فطری بات ہے۔ میں نے مسودہ پر نظر ثانی کرتے ہوئے اسی بات کو سامنے رکھا ہے۔

اپنا مسودہ لے جانے کے لیے کسی کو یہاں تک دوڑانے کی زحمت کیوں کریں؟ رجسٹرڈ ڈاک سے خود ہی بھیج دوں گا۔

کتاب کا مقدمہ لکھنے کی آپ نے جو فرمائش کی ہے، افسوس ہے کہ اس کی تعمیل نہ کرسکوں گا جسم اور ذہن دونوں ہی از کار رفتہ ہوتے جارہے ہیں مجھ سے اس طرح کی تحریری خدمات انجام دینے کے لئے آئے دن تقاضا ہوتا رہتا ہے۔ مگر میں فوراً ہی معذرت کا اظہار کردیا کرتا ہوں۔ یہ صرف آپ کی ذات کا استثناء رہا ہے کہ آپ کے مسودے کی نظر ثانی کا کام از خود میں نے اپنے سر لے لیا تھا۔ اور اب کیا بتاؤں کہ یہ ہفتہ دو ہفتہ کا کام جواب تک تکمیل کو نہ پہنچ سکا ہے، کسی طرح طبیعت پر جبر کر کے نپٹا رہا ہوں اور وہ بھی اس طرح کی عموماً لیٹ کر ہی دیکھتا اور لکھتا ہوں۔ لہذا گذارش ہے کہ اس دوسری خدمت سے مجھے معاف فرمائیں۔

آپ نے تنظیم سے علیحدگی کے جس ارادے کا اظہار فرمایا ہے، میرا مشورہ ہے کہ ابھی توقف فرمائیں۔ نئی صورت حال کے نتائج کا ابھی کچھ دنوں جائزہ لے لینا ضروری ہے، ممکن ہے کہ رخ کچھ بہتری ہی کی طرف ہو جائے۔ میں اگرچہ حاضر نہیں تھا، نہ مجھے اس کی کوئی تفصیل ہی معلوم ہے کہ مجلس نمائندگان کی کارروائیوں اور بحثوں کا انداز کیا رہا ہے، اس کے باوجود میرا حسن ظن تھوڑا بہت یہی ہے کہ ان شاء اللہ مستقبل ماضی سے بہتر رہے گا۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ لہذا پھر عرض کروں کہ ابھی صبر اور توقف سے کام لیں۔

والسلام صدرالدین

اس کتابچہ میں مولانا محترم کے قلم سے اضافہ شدہ ایک پیراگراف جس میں تحریکی طریقہ کار سے متعلق نکات کا بیان ہے۔

"........... کرنے کے لیے عام طور سے جو طریقے رائج ہیں ویسے ہی طریقے یہاں بھی اختیار کیے جائیں گے نہیں، اسلامی معاشرہ ان طریقوں سے نہیں بنا کرتا، اور نہ اس کا مزاج ہی انہیں گوارا کرسکتا ہے اسلامی معاشرے کی تعمیر اور تنظیم اپنی نوعیت کے اعتبار سے دوسری تمام تعمیروں اور تنظیموں سے بالکل مختلف چیز ہے۔ چنانچہ اس کے لیے نہ تو رواجی انداز کی ممبر سازی کرنی ہے نہ صدر اور سکریٹری چننا ہے اور نہ کوئی ٹھیٹھ دفتری نظام قائم کرنا ہے۔ کم از کم ابتداء میں تو کافی دنوں تک اس طرح کی باتوں سے بالکل دور رہنا ہوگا۔"

ڈاکٹر ضیاء الہدیٰ مرحوم کے جماعت اسلامی سے استعفاء کی اطلاع کے بعد لکھا گیا ایک خط جس میں ایک الگ مستقل تحریکی خطوط کار کی تعیین سے اپنی جسمانی و ذہنی ضعف کے سبب مولانا محترم نے فی الوقت اظہار عجز کیا تھا البتہ ڈاکٹر ضیاء الہدیٰ مرحوم کو اپنی فکر و موقف کے مطابق آغاز کار کا مشورہ دیا تھا۔

پھول پور۔ اعظم گڑھ

۶/ جولائی برادر مکرم و محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

خدا کرے بخیریت و بعافیت ہوں۔ میں بھی بحمد اللہ فی الجملہ ٹھیک ہی ہوں، مگر عمر اور علالت دونوں ہی کا طول قدرتی طور پر اپنا اعصاب شکن اثر بڑھاتا ہی جارہا ہے۔ اکثر تو دو چار فرلانگ چلنا بھی دوبھر ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے عنایت نامے کے جواب میں اتنی غیر معمولی تاخیر ہوگئی، جس کے لیے احساس ندامت کے ساتھ معذرت خواہ ہوں۔

آپ کی یکسوئی کی اطلاع مجھے جلد ہی مل گئی تھی اور اس بات کی بھی کہ مونس صاحب آپ کے پاس گفتگو اور افہام و تفہیم کے لیے گئے بھی تھے۔ بہر حال آپ کے استعفاء کی اطلاع ملنے پر مجھے فطری طور پر ایک جھٹکا لگا۔ ہم نے اپنی پوری عمر اس تحریک سے وابستہ رکھنے کا فیصلہ اس طرح کے دن دیکھنے کے لئے نہیں کیا تھا۔

جہاں تک آپ کی اس فرمائش کا تعلق ہے کہ آپ کو اپنے مجوزہ تعمیر معاشرہ اسلامی

کے کام اور پروگرام کے سلسلے میں کچھ مشورہ دوں، تو صحیح بات یہ ہے کہ اب میں اپنے جسمانی ہی نہیں، ذہنی اور دماغی ضعف کی بھی وجہ سے اس قابل نہیں رہ گیا ہوں کہ اتنے اہم مسئلے میں یعنی ایک مستقل اسلامی تحریک و تنظیم کے خطوط کار کی کسی واضح اور حسب ضرورت تعیین میں کوئی قابل اطمینان مشورہ دے سکوں۔ برادرم! مجھے تو اب از کار رفتہ ہی سمجھئے۔ ویسے میرا خیال ہے کہ آپ کے شائع شدہ کتابچوں میں وہ بنیادی نکات موجود ہی ہیں جن کو سامنے رکھ کر آپ کام کا آغاز بآسانی کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق آپ کے شامل حال رہے۔ جوں جوں قدم بڑھتا جائے گا تجربہ بھی اور مزید غور و فکر بھی ان شاء اللہ آگے کی راہ کھولتا جائے گا۔

میری اس وقت کی معذرت خواہی یا اظہار عجز کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر زندگی کچھ دنوں اور باقی رہی اور ذہنی و فکری توانائی میں کچھ سدھار بھی آیا تب بھی میں آپ کو کوئی مشورہ دینے سے پہلو تہی کر جاؤں گا۔

آخر میں ایک تشویش ناک خبر بھی تحریر کر رہا ہوں۔ پرسوں یعنی جمعرات ۴/ جولائی کی شام میں مرکز جماعت سے بلریا گنج فون آیا کہ سابق امیر جماعت، محترم مولانا محمد یوسف صاحب پر فالج کا حملہ ہو گیا ہے۔ خدا کرے حملہ ہلکا ہی ہو اور اب وہ رو بصحت بھی ہوں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرمائے اور موصوف کو شفائے عاجلہ و کاملہ عطا فرما دے۔ آمین۔

والسلام صدر الدین اصلاحی

اس کتابچہ کی اشاعت کے بعد ڈاکٹر ضیاء الہدیٰ مرحوم نے اپنے خط کے ساتھ حامل رقعہ کو ایک مستقل تحریک کے خطوط کار سے متعلق بعض امور پر مشورہ طلب کرنے کی غرض سے مولانا محترم کے پاس بھیجا تھا۔ اس کے جواب میں مولانا محترم نے بعض اہم امور کی نشاندہی کی۔

پھول پور

۳۱/ مارچ برادر مکرم و محترم! السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

خدا کرے آپ بخیر و عافیت ہوں آپ کے فرستادے، برادر عزیز راشد نیر صاحب

تشریف لائے اور ان کے ذریعہ گرامی نامہ بلکہ فرمائش نامہ مع کتابچہ موصول ہوا۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ میں جسمانی اور ذہنی طور پر اتنا ناکارہ سا ہو چکا ہوں کہ کسی اہم مسئلے پر کما حقہ غور و فکر کر کے اس سے متعلق ضروری باتیں ضبط تحریر میں لانا از حد دشوار ہو گیا ہے۔ تاہم جب آپ کی ایسی فرمائش ہے تو چند موٹی موٹی باتیں درج کرتا ہوں:

۱۔ اسلامی معاشرہ کی تعمیر و تشکیل کا صحیح، نتیجہ خیز اور مکمل خاکہ بنیادی طور پر تو خود آپ کے اس کتابچہ ہی میں موجود ہے، اور یہی بات یہ ہے کہ جماعت اسلامی کی تحریک اقامت دین کا بنیادی اور اولین مرحلہ اسی طرح کے معاشرے کی تعمیر ہی تھا اور ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ جماعت اس تعمیر کی مطلوبہ کوششوں کا اور اس کی ناگزیر ضرورتوں کا کما حقہ پاس و لحاظ نہ رکھ سکی، اور دیگر کم اہم یا بعد کے مراحل کے کاموں میں اپنی توجہات اور اپنی توانائیوں کا بیشتر حصہ صرف کرتی چلی آ رہی ہے۔

۲۔ ایسی صورت حال میں ہمیں اپنے انداز فکر اور اپنی سمت سفر درست کرنے کی ضرورت ہے میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تعمیر معاشرہ کی مطلوبہ بنیادیں تو بالکل واضح ہیں۔ البتہ تفصیلات کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ لیکن جب کام صحیح طریقے سے اور یکسوئی کے ساتھ ہونے لگے گا اور ہوتا رہے گا تو پیش آمدہ حالات اور تجربات خود رہنمائی کرتے چلے جائیں گے۔

غرض اصل ضرورت کسی تفصیلی خاکے کی نہیں، بلکہ صحیح رخ پر یکسوئی کے ساتھ کام کرتے رہنے کی ہے۔ آپ کے بقول السابقون کا گروہ وجود میں لانا ہی اس مہم کی شاہ کلید ہے۔

والسلام

صدر الدین اصلاحی

مکاتیب

خطوط شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں ان سے خطوط نگار کی فکر، رجحان، مزاج، اہل خانہ و متعلقین سے تعلقات کی نوعیت اور عملیت ہر چیز جھلکتی ہے اس لئے کسی شخصیت کے بارے میں حتمی رائے قائم کرنے کیلئے ان کے خطوط کا مطالعہ انتہائی اہمیت رکھتا ہے پھر جب معاملہ کسی بلند پایہ علمی شخصیت اور فکری قائد کا ہو تب تو ان کی اہمیت اور دوبالا ہو جاتی ہے جہاں ان کے مطالعے سے جواہر پارے ہاتھ آتے ہیں وہیں مختلف مسائل میں رہنما خطوط کی نشاندہی بھی ہوتی ہے جو زندگی کے مختلف مراحل میں مشعل راہ کا کام دیتے ہیں اسی اہمیت کے پیش نظر میں نے مولانا کے خطوط کے فراہمی کی کوشش کی لیکن تلاش بسیار کے باوجود صرف چند خطوط ہی ہاتھ لگے جنھیں یہاں نقل کیا جارہا ہے ان سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا کا انداز تحریر کیا تھا قلم کے معاملے میں کس قدر محتاط تھے کتنی ہی نپی تلی باتیں سفحۂ قرطاس پر لاتے تھے معاملات کے سلسلے میں کس قدر حساس تھے اپنائیت اور محبت کس قدر ٹوٹ کر آپ کے اندر بھری ہوئی تھی کتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کا آپ کو پاس ولحاظ رہتا تھا مصائب و آلام میں گھر جانے اور حوادث سے دوچار ہونے پر آپ کی کیا کیفیت ہوتی تھی دکھ سکھ کو آپ کس نظر سے دیکھتے تھے اور اس وقت کیا تدابیر اختیار کرنا ضروری سمجھتے تھے آل و اولاد کو کس قدر چاہتے تھے اور ان کے مسائل کے حل کے لئے کتنی دلچسپی لیتے تھے ان کے دکھ درد میں کس قدر شریک ہوتے تھے۔

بعض سلسلہ خطوط تحریک کے اکابرین کے نام ہیں جن سے ان کی باہمی الفت و محبت تحریک اسلامی کے تئیں مولانا کی فکرمندی اس کے استحکام کے لئے سعی و جہد اور صورت حال کے بے لاگ تجزیہ پر روشنی پڑتی ہے مختلف وجوہ سے بعض کی اشاعت ممکن نہیں ہو پا رہی ہے، انشاء اللہ حسب موقع شائع کیا جاتا رہے گا۔ (مدیر)

بنام محترمہ ایمن ترنم صاحبہ (مولانا کی صاحبزادی)

پھول پور

۱۷/اگست

پیاری بیٹی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے تم سب لوگ خیریت سے ہو تمہیں یہ غم انگیز خبر دیتے ہوئے خود میری آنکھوں میں آنسو ہیں کہ ۱۴/اگست اتوار کی شام کو بعد مغرب ساڑھے سات بجے تمھاری والدہ اللہ تعالیٰ کے جوار رحمت میں پہونچ گئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون.

سات بجے تک ٹھیک تھیں اس سے پہلے اعظم گڑھ کے ڈاکٹر عبدالحلیم صاحب اور افتخار احمد سلمہ دونوں نے مل کر کوئی آدھ گھنٹہ تک ان کا چیک اپ کیا تھا، اور بتایا تھا کہ سب اعضاء بالکل ٹھیک حالت میں ہیں دل بھی، پھیپھڑے بھی، دیگر بھی۔ البتہ کمزوری کافی ہے جس کے لئے انہوں نے دوائیں تجویز کیں۔ مغرب سے ذرا پہلے ڈاکٹر صاحب پوری طرح دیکھ کر اور اطمینان دلا کر چلے گئے۔ میں نماز پڑھنے چلا گیا ساڑھے بجے نماز پڑھ کر گھر آیا تو چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں نے کہا کہ کیا لٹا دوں۔ جواب دیا کہ نہیں بیٹھی رہنے دیجئے پھر پوچھا میری جوتیاں کہاں ہیں۔ میں نے جوتیاں تلاش کرائیں اور پھر صحن میں آکر چارپائی پر لیٹ گیا۔ تسنیم وغیرہ جب مغرب کی نماز پڑھ چکیں تو ان کے پاس گئیں، انہوں نے کہا کہ جسم میں درد ہو رہا ہے۔ ذرا آہستہ آہستہ دباؤ۔ سب نے بیٹھ کر آہستہ آہستہ دبانا شروع کیا۔ کچھ دیر بعد کہا کہ کچھ گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ ان لوگوں نے کاشف کو یا فرحان کو دوکان پر دوڑایا کہ بھائی کو بلا لاؤ۔ وہ آئے تو انہیں لٹا کر پشت میں وکس کی مالش شروع کی، تسنیم وغیرہ بھی ہاتھوں اور پیروں کی مالش کرتی رہیں مگر دو ایک منٹ کے اندر ہی نبض گرنے لگی اور اللہ اللہ کہتے ہوئے عالم آخرت کو روانہ ہو گئیں۔ اسطرح سب کچھ دس پندرہ منٹ کے اندر اندر ہو گیا۔ اللہ کا فضل ہے کہ سکرات کی کوئی خاص تکلیف نہیں ہوئی۔

بیٹی! تم جاتنی دوری پر ہو، اس سانحہ کا یقیناً دہرا غم ہوگا۔ مگر بیٹے سے زیادہ صبر و ضبط

کا موقع ہے۔ ایک مومن کی شان یہی ہے کہ وہ ہر حال میں مشیت کے فیصلے پر راضی رہے اس لئے مجھے توقع ہے، اور میری ہدایت بھی کہ جہاں تک ممکن ہو سکے صبر۔ مومنانہ صبر سے کام لینا۔ اگر چہ تم کو یہاں ان کی علالت کے دوران خدمت کا موقع نہیں مل سکا مگر ان کی سب سے بڑی خدمت کا موقع ابھی باقی ہے اور عمر بھر باقی رہے گا۔ اور یہ خدمت ان کے لئے دعائے مغفرت کر کے انجام دے سکتی ہو۔ ہر نماز فرض کے بعد بالخصوص دل سے دعائیں کرتی رہو کہ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے، لغزشوں سے درگذر فرمائے۔ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے، اپنی مغفرت کی آغوش میں لے لے اور جنت کی نعمتوں سے شاد کام کرے اور برابر کرتا رہے آمین!

والسلام

صدرالدین

بسمہ

پھول پور

۱۲/ اکتوبر

پیاری بیٹی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

بحمد اللہ خیریت سے ہوں، دعا ہے کہ تم سب لوگ بھی خیریت اور عافیت سے ہو۔

تمہارے سب خطوط مل گئے ہیں اگر چہ ان میں سے دو بڑی تاخیر سے مل سکے۔ چنانچہ تمہارا ۲۱/ ستمبر کا لکھا ہوا خط، جو تسنیم وغیرہ کے نام تھا اور بیرنگ لفافہ میں تھا، ابھی کل دوشنبہ کے دن مل سکا ہے۔ اس خط کو پڑھ کر طبیعت سخت پریشانی میں پڑ گئی ہے، کیوں کہ اس سے اندازہ ہوا کہ تمہیں اپنی والدہ مرحومہ کا غم اب بھی اتنا زیادہ ہے کہ تمہاری صحت تباہ ہوئی جارہی ہے۔ ماں کا غم تو بھلایا نہیں جاسکتا مگر اسے جوں کا توں تازہ رکھنا صحیح بات نہیں۔ یہاں کوئی ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں آیا ہے، انبیائے علیہم السلام کو بھی اپنے وقت مقررہ پر یہاں سے کوچ کر جانا پڑا۔ پھر ہما شما کس شمار وقطار میں ہیں! اس لئے تمہیں مشیت الٰہی کے فیصلے پر راضی ہو کر اس غم کو بتدریج ہلکا کرتے ہوئے اسے بھلا دینے کی کوشش کرنا چاہیے۔ غم

تازہ رکھنے سے کسی طرح کا کوئی فائدہ نہیں۔ بلکہ سراسر نقصان ہی نقصان ہے۔ فائدہ صرف راضی برضا ہو جانے میں ہے جو ایمان کی پختگی کی نشانی ہے اور اجر آخرت کا موجب بھی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اگر تم جلد ہی یہاں آگئی ہوتیں تو گھر کے دیگر افراد کے ساتھ رہنے سہنے سے طبیعت جلد قابو میں آجاتی۔ مگر افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہو سکا۔ اب جب کہ ۲۰/ اکتوبر تک بچوں کے امتحانات ختم ہو رہے ہیں، کسی طرح کوشش کر کے ۲۱/۲۲ تک یہاں آجانے کی تدبیر کرو۔ ۳/۴/ نومبر تک تو بہت دیر ہو جائے گی۔ رضوان میاں کی چھٹی بھی نومبر کے شروع میں ختم ہو جانے والی ہے۔ پھر بعض اور مصلحتیں بھی ایسی ہیں جن کے پیش نظر تمہارا یہاں جلد از جلد آجانا بہت ضروری ہے۔ یہاں آجانے پر تمہارا علاج بھی قاعدے سے ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ اس کا بھی امکان ہے کہ دس بارہ دنوں میں تسنیم اور رضوان دونوں کے عقد کی بھی شکل پیدا ہو جائے، دعا کرو یہ کوشش کامیاب ہو جائے اگر ہوگئی تو ۲۴/۲۵/ اکتوبر تک ہی یہ کام کرنا ہوگا۔

کوثر ۱۷، ۱۸/ اکتوبر تک آجائے گی۔ فیروزہ کی آمد کی تو ابھی کوئی اطلاع نہیں ہے، مگر توقع ہے کہ ہفتہ عشرہ تک وہ بھی آسکتی ہے۔

میری صحت بحمد اللہ بہتر ہے

والسلام

صدرالدین

پھول پور

۳/ جون

عزیزہ سلمہا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

دعا ہے کہ تم خیریت اور صحت کے ساتھ ہو اور دیگر افراد بھی بخیریت ہوں۔ یہاں بھی بحمد اللہ سب بخیریت ہیں۔ میری طبیعت بھی اچھی ہے۔

صلاح الدین کے ذریعہ بھیجا ہوا سامان اور خط مل گیا تھا۔ منی نے جواب بھی جلد ہی نہیں لکھ دیا تھا، اس کے بعد سے تمہارے خط کا برابر انتظار ہے۔ کل فیروزہ دو بچوں کے

۱۵/نومبر

عزیزہ سلمہا!   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

دعا ہے کہ تم سب لوگ خیریت اور آرام وسکون سے ہو۔ یہاں بھی بفضلہ تعالیٰ سب بخیریت ہیں میں بھی کافی حد تک اچھا ہو چکا ہوں۔ ہڈی کا کریک تو بہت دن ہوئے ٹھیک ہو چکا ہے۔ البتہ ہڈی میں جو موچ آئی تھی وہ کسی قدر باقی ہے اور دو سوا دو ماہ تک لیٹے لیٹے رہنے سے پاؤں کی نسیں بھی کچھ سکڑ سی گئی ہیں، ان میں تناؤ کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ علاج ہومیو پیتھک برابر چل رہا ہے۔ اب چند روز سے دیوار کا سہارا لے کر اور کچھ اس سہارے کے بغیر بھی آہستہ آہستہ اور کسی قدر لنگڑا کر چلنے لگا ہوں۔ امید ہے کہ اب انشاء اللہ جلد ہی کسی سہارے کے بغیر ضرورت کے مطابق چلنے پھرنے لگوں گا۔ تم زیادہ پریشان نہ ہو۔

تمہارا خط، جو سلطان احمد سلمہ لائے تھے ابھی پرسوں سنیچر کی شام کو مل سکا۔ کل اتوار تھا اس لئے آج جواب تحریر کر رہا ہوں۔

ثریا تو تمہارا خط ملنے سے دو روز قبل ہی یعنی ۱۰/نومبر کو نوگڑھ چلی گئی تھی اس لئے تمہارا خط اس کے مطالعہ میں نہیں آسکا۔ وہ نوگڑھ سے اس ماہ کے آخر میں ہرئی چلی جائے گی اور پھر گرمیوں کی چھٹی میں آسکے گی۔

البتہ غزالی کو یہیں چھوڑ گئی ہے تاکہ اقرا اسکول کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہ سکے۔

رضوان احمد مہینہ بھر قبل ۱۱/اکتوبر کو آئے تھے، اب ۲۵/نومبر کو ان کی واپسی ہے۔ وقاص وغیرہ ساتھ جائیں گے۔ فرحان احمد سلمہ اکتوبر کے اواخر میں آئے ہیں ابھی ایک ماہ اور رہیں گے۔ انہیں تمہارے پاس بھیجنے کی سوچ رہا ہوں، وہ بھی تم سے ملنے جانا چاہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ٹکٹ رزرو ہو جانے کی شکل میں سلطان کے ساتھ ہی جائیں۔ اصل مسئلہ بھیونڈی سے واپسی کے لئے ٹکٹ رزرویشن کا مسئلہ ہے ان شاء اللہ اس کام کے لئے دو ایک دن میں تمہیں خط لکھوں گا تاکہ تم لوگ ان کی واپسی کے لئے فوری رزرویشن کرا سکو۔

والسلام

صدرالدین

فیروزہ ۱۸/اکتوبر کو گوبند پوری گئی تھی رضوان پہنچانے گئے تھے، کوثر بھی ساتھ گئی تھی ۴/نومبر کو فرحان گوبند پور گئے اور ۱۲/اکتوبر کو کوثر کو لے کر واپس آئے۔

بسمہ

پھول پور

۳۰/دسمبر

عزیزہ سلمہا!   السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

بفضلہ تعالیٰ یہاں سب لوگ بخیریت ہیں۔ میں بھی فی الجملہ اچھا ہوں۔ دعا ہے کہ تم سب لوگ بھی خیریت اور عافیت، امن وسکون سے ہو۔

چند روز قبل حاجی محمد یونس بھیونڈی سے واپس گھر آئے تو انہوں نے یہ اطمینان بخش اطلاع دی کہ تم لوگ جس محلہ ہو اس میں ہر طرح حالات پر امن ہیں۔ مگر تم نے ان کے ذریعہ کوئی خط نہیں بھیجا۔ نہیں معلوم کیا بات ہوئی۔

یہ کارڈ تم کو صرف یہ اطمینان دلانے کے لئے لکھ رہا ہوں کہ یہاں حالات بالکل نارمل ہیں کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔

رضوان احمد سلمہ ۲۷/دسمبر کو اتوار کے دن بھیونڈی جانے کے لئے دہلی روانہ ہو گئے دعا کرو کہ آرام اور خیریت کے ساتھ منزل پر پہونچ جائیں۔

فرحان احمد سلمہ کے خط کا انتظار ہے۔ کوئی مہینہ بھر پہلے خط آیا تھا۔ بخیریت رہنے کی اطلاع اس میں درج تھی۔

نوگڑھ، فیض آباد، گیان پور، لکھیم پور اور دھنباد ہر جگہ سے خطوط آئے ہیں۔ بحمد اللہ ہر جگہ خیریت ہے۔

والسلام

صدرالدین

بنام سید حسنین صاحب، اسلام نگر، دربھنگہ

پھول پور

۳۰/دسمبر

برادر مکرم جناب سید حسنین صاحب　　　السلام علیکم، اسلام پور، دربھنگہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ دعا ہے کہ آپ مع جمیع متعلقین بخیریت وعافیت ہوں۔

یہ عریضہ آپ کو ایک اہم ضرورت سے تحریر کر رہا ہوں۔ توقع ہی نہیں، یقین ہے کہ پوری توجہ سے کام لیں گے۔ آپ اس افسوس ناک سانحے سے واقف ہی ہوں گے جو ۲/جون کو عین عیدالاضحیٰ کے دن پیش آیا تھا یعنی یہ کہ میرے عزیز امتیاز احمد قمر سلمہ (پروفیسر مورکالج گوبند پور ضلع دھنباد) موٹر سائیکل سے گر پڑنے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے جوار رحمت میں پہنچ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور اپنی عنایتوں سے نوازے۔ آمین

اس اچانک حادثے سے مرحوم کے پس ماندگان کے لئے خاصے سنگین مسائل پیدا ہوگئے ہیں اور قدرتی طور وہ بہت سی پریشانیوں سے دوچار ہیں۔ ان کے چاروں لڑکے زیر تعلیم ہیں۔ اس لئے روزمرہ کے عام مصارف اور ضروریات زندگی کی فراہمی کے ساتھ ان کے لئے تعلیمی مصارف کا نظم واہتمام بھی ناگزیر ہے۔ ان سارے مصارف کا پورا ہوتے رہنا اس بات پر موقوف ہے کہ مرحوم کا چھوڑا ہوا ترکہ ان کے اہل وعیال کے دست تصرف میں آجائے۔ مگر اسطرح کے معاملات میں ضابطے کی کارروائیاں جس رفتار سے آگے بڑھتی ہیں، ان سے آپ بھی ناواقف نہ ہوں گے پھر اس مشکل کو کیسے حل کیا جائے؟ مرحوم کا ترکہ ان کے ورثہ کے ہاتھ میں کس طرح پہنچے؟ آج چار ماہ کی مدت گذر چکی، مگر ابھی تک ساری ممکنہ سعی و کوشش کے باوجود کچھ نہیں ہوسکا ہے۔ بینک کھاتا کا مسئلہ، لائف انشورنس کا مسئلہ، پی ایف کا مسئلہ، گریجویٹی کا مسئلہ پنشن کا مسئلہ، غرض ہر مسئلہ اپنی جگہ جوں کا توں پڑا ہوا ہے۔

آپ کو اس داستان کے سنانے کا خیال مجھے یہ اطلاع ملنے پر آیا کہ آپ کی درس گاہ اسلامی کا ۹ر-۱۰ر اکتوبر کو سالانہ جلسہ ہو رہا ہے۔ اس میں آپ کے قدیم دوست قدوائی صاحب بھی شرکت فرمائیں گے۔ موقع نکال کر ان سے کہہ دیں کہ وہ اس مسئلہ کو پوری طرح حتی الوسع جلد از جلد حل کرادیں اس طرح کے مسائل کا حل عملاً اور از روئے ضابطہ اس

یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے ہاتھ میں ہوا کرتا ہے جس سے متعلقہ کالج کا الحاق ہوتا ہے گورنر یونیورسٹی کا چانسلر ہوتا ہے اس لئے قدوائی صاحب کی تھوڑی سی توجہ سے سارا کام آسانی کے ساتھ لازماً بن جائے گا توقع ہے کہ آپ ان پر معاملہ کی اہمیت واضح کرتے ہوئے اس توجہ فرمائی کے لئے آمادہ کرلیں گے۔

گورنر صاحب کے سامنے اس معاملہ کو کس طرح رکھنا مناسب ہوگا، آیا زبانی گفتگو کرکے انہیں یا ان کے سکریٹری کو اسے نوٹ کرادینا کافی ہوگا، یا ان کو کوئی مرتب شدہ درخواست دینی ہوگی؟ اس بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم؟ آپ کے نزدیک جو طریقہ صحیح اور انسب ہو اختیار فرمائیں۔ اگر دوسری شکل اختیار کرنی ہو یعنی ان کے سامنے کوئی ضابطہ کی درخواست دینی ہو تو عزیزم افتخار احمد سلمہ سے (جو میرا عریضہ آپ کے حوالہ کر رہے ہیں) کہہ دیں کہ وہ درخواست مرتب کرکے آپ کو دے دیں میں یہ خط آپ کو براہ راست بھیجنے کے بجائے افتخار احمد سلمہ کے واسطے سے اس لئے بھیج رہا ہوں کہ وہ آپ کے پڑوس میں موجود رہیں گے اور اس سلسلے میں حسب ضرورت آپ کو ضروری معلومات بہم پہنچادیا کریں گے، نیز آپ سے ملتے رہیں گے۔

۷ر ستمبر کو جس نئی افتاد سے دوچار ہوگیا ہوں، اس کی اطلاع آپ کو بھی مل چکی ہوگی۔ صاحب فراش ہوں اور چلنے پھرنے اور کھڑے ہونے سے معذور۔ علاج ہومیوپیتھک ہو رہا ہے۔ تھوڑا بہت افاقہ ہو رہا ہے۔ دعائے صحت کی آپ سے بھی درخواست ہے۔

والسلام

صدرالدین

بنام محمد شعیب صاحب نئی دہلی (مولانا کے داماد)

بسمہ تعالیٰ

پھولپور اعظم گڑھ

۳/جولائی ۱۹۹۵ء

عزیز محمد شعیب سلمہ اللہ تعالیٰ   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اللہ کرے تم اب مکمل طور پر شفایاب ہو، اور نہ کوئی ذہنی پریشانی باقی رہ گئی ہو نہ جسمانی تکلیف کا احساس رہ گیا ہو۔ ان شاء اللہ وہ کمزوری جلد ہی پوری طرح ختم ہو جائے گی جو طویل علالت کے باعث قدرتی طور پر پیدا ہو گئی تھی۔

میں دہلی آکر وہاں قیام کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اب تک تمہارے پاس پہنچ بھی گیا ہوتا۔ مگر یکایک منی یہاں آگئی، اس لئے مجھے اپنی روانگی کا پروگرام موخر کر دینا پڑا۔ بہر حال مناسب وقت آتے ہی ان شاء اللہ ضرور آجاؤں گا۔

بیماریوں کے بارے میں طبی علاج تو کیا ہی جاتا ہے، اور ضرور کیا جانا چاہئے۔ مگر ساتھ ہی ایک نفسیاتی علاج بھی اپنے طور پر خود بھی کرتے رہنا چاہئے۔ اور وہ علاج یہ ہے کہ آدمی اپنی بیماری کے احساس قریب نہ آنے دے۔ میری طویل علالت کا حال تمہیں معلوم ہے۔ کہنا چاہئے کہ بیماری کا ایک ریکارڈ میں نے قائم کر دیا ہے۔ لیکن میں عام طور سے اپنی بیماری کے احساس سے اپنے کو بلند رکھتا ہوں، یہ نہیں خیال رکھا کرتا کہ میں بیمار ہوں۔ غرض یہ سوچتا اور سمجھتا ہی نہیں کہ میں علیل ہوں اور ایسی ایسی تکلیفیں مجھے لاحق ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ اس سے مجھے بہت فائدہ رہتا ہے۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ کا ایک خاص فضل وکرم ہے جس سے اس نے مجھ گنہگار کو نوازا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم بھی ایسا ہی کرو اور ضرور کرتے رہو۔ صحت مندی اور علالت تو اللہ کی مشیت کے تحت ملا کرتی ہیں بندہ ان کے بارے میں کیوں سوچے اور خواہ مخواہ اپنے کو کچھ اور زیادہ بیمار بنائے رکھے۔

ہاں ان دونوں علاجوں، یعنی طبی علاج اور نفسیاتی علاج کے ماسوا ایک تیسرا علاج بھی ہے جو سب سے زیادہ ضروری اور کامیاب وکارگر علاج ہے۔ یہ تیسرا علاج مسنون دعاؤں کا علاج ہے۔ اس علاج سے بھی زیادہ سے زیادہ کام لینا چاہئے۔ یہ علاج بھی ہے اور ایمان کی شان بھی ہے اور بجائے خود ایک بہت بڑی عبادت بھی۔ اس لئے ذہن کی یکسوئی کے ساتھ اللہ رب العالمین کی طرف متوجہ ہو کر پوری عاجزی سے شفائے کامل کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔

سوتے وقت سورہ فلق اور سورہ ناس پڑھ کر دائیں کروٹ سونا چاہئے۔ یہ بھی مسنون طریقہ ہے۔

والسلام

دعاگو

صدرالدین

بنام ماسٹر محمد نعیم صاحب للت پور، یوپی

خاں کلینک
پھول پور۔ ضلع اعظم گڑھ
یکم مئی ۱۹۸۶ء

برادر عزیز!   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

امید ہے کہ مع متعلقین واحباب بخیریت ہوں گے۔ دہلی سے واپس ہوتے ہوئے آپ مجھ سے دوبارہ نہ مل سکے جب کہ میں مسلسل انتظار میں رہا غالباً مرکز آپ ضرور آئے ہوں گے مگر گیٹ پر انتظامی رکاوٹوں کے باعث مل نہ پائے، بہر حال جو خط آپ میری لڑکی (کوثر سلمہا) کا میرے پاس لئے گئے تھے اس میں ایک رشتہ کا تذکرہ تھا اور میں اسی رشتہ کے سلسلے میں آپ سے گفتگو کرنے کا خواہش مند تھا اب جب کہ دہلی میں بالمشافہ گفتگو آپ سے نہ ہو سکی تو اس عریضہ کے ذریعہ اپنی بات آپ تک پہنچا رہا ہوں، امید ہے کہ توجہ سے کام لیں گے اور جلد جواب عنایت کریں گے۔

مسئلہ میری ایک بچی کے لئے موزوں رشتہ کی تلاش کا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے ایک بھانجے، افضال احمد سلمہ، کے لئے رشتہ کی بات چیت ادھر ادھر چل رہی ہے اگر ان کا رشتہ کہیں طے نہ ہو چکا ہو تو آپ افضال میاں کے سرپرستوں کے سامنے میری پیش کش کو رکھ دیں۔ اور اگر ان کا رد عمل اثبات میں ہو تو مجھے اس سے مطلع فرما دیں، تا کہ گفتگو بڑھ سکے اور دونوں طرف سے ضروری معلومات حاصل ہو چکنے کے بعد کسی فیصلہ پر

پہنچا جاسکے۔

امید ہے کہ آپ بھی اور برادرم سمیع اللہ خاں صاحب بھی توجہ اور دل چسپی سے کام لیں گے۔ سمیع اللہ خاں صاحب کو سلام مسنون پہنچادیں، اور فرحت صاحب کو بھی۔

والسلام

صدرالدین

بنام صغیر احمد صاحب رکن جماعت پورہ نورم بیہاں

مقیم جدہ جولائی ۱۹۹۲ء

پھول پور

۱۰/ جولائی

برادر عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

خدا کرے خیریت اور عافیت سے ہوں۔ یہاں بھی بفضلہ تعالیٰ سب لوگ بخیریت ہیں۔ لیکن ادھر دو تین ہفتوں سے میری صحت پھر گر گئی ہے اور کچھ نئی تکلیفوں سے دوچار ہوں یہی وجہ ہے کہ آپ کے خط کا جواب بڑی تاخیر سے دے رہا ہوں، جواب کیا بس یوں کہیے کہ خط کی رسید بھیج رہا ہوں۔ اب میری صحت اور ذہنی طاقت ایسی نہیں رہ گئی ہے کہ علمی موضوعات سے متعلق مطالعہ اور غور وفکر کرسکوں اور پھر اس سلسلے میں موضوع یا مسئلے کے شایان شان لکھ بھی سکوں۔ اس لیے آپ کے تینوں سوالوں کے جواب میں نہایت مختصر لفظوں پر اکتفا کرنے پر مجبور ہوں۔

۱۔ آپ کا پہلا سوال "توحید" سے متعلق ہے۔ یہ سوال اچھی طرح واضح نہیں ہے غالباً آپ کی مراد، توحید سے ملت کی وحدت ہے، یعنی یہ کہ پوری ملت اسلامیہ اجتماعی اور سیاسی طور پر ایک جماعت ہو۔ جہاں تک نظریے اور اصول کا سوال ہے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ اسلام کو یہی مطلوب ہے لیکن جہاں تک عملی امکان کا سوال ہے، بحالات موجودہ اس وحدت ملی کا کوئی امکان دور دور تک دکھائی نہیں دیتا۔ اسلام کے نام لیوا دینی حیثیت سے

جس زبوں حالی کا شکار بن کر رہ گئے ہیں اس کی موجودگی میں اس وحدت اجتماعی کا خواب بھی نہیں دیکھا جاسکتا۔

۲۔ آپ کا دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر دنیا کے تمام مسلم ملکوں میں اپنی اپنی جگہ شریعت کا نفاذ ہوجائے تو کیا ان کے الگ الگ حیثیت میں رہتے ہوئے توحید (یعنی وحدت ملت) کا حق ادا ہوجائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں، حق نہ ادا ہوسکے گا حق ادا ہونے کے لئے ضروری ہوگا کہ یہ مسلم ممالک مل کر باہم ایک وفاق کی شکل اختیار کرلیں اور اپنے سربراہان مملکت میں سے کسی ایک کو صدر بنالیں جو دراصل پوری ملت اسلامیہ کا خلیفہ ہوگا۔ اس کی بھی گنجائش ہوگی کہ ایک خاص مدت کے بعد خلیفہ کا نیا انتخاب ہوتا رہے (میری کتاب "اجتماعیت اور اسلام" میں اس مسئلہ پر گفتگو آئی ہے اسے دیکھ لیں)

۳۔ آپ کا تیسرا سوال یہ ہے کہ کیا دنیا کی تمام اسلامی تحریکوں کا ایک امیر بنایا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا کیا جانا عملاً ممکن نہیں، اور اگر ایسی کوئی کوشش کی گئی تو کامیاب نہ ہوسکے گی، نہ صرف یہ کہ کامیاب نہ ہوسکے گی بلکہ الٹی مضر ثابت ہوگی۔

یہ ہے آپ کے سوالوں کا مختصر جواب۔ تفصیل میں جانے کی نہ طاقت ہے نہ ہمت۔

آپ نے اپنے ایک خواب کا ذکر کیا ہے۔ خواب تو خواب ہی ہوتا ہے۔ اس کی تعبیر بھی آسان نہیں ہوتی۔

والسلام

صدرالدین

بنام جلال الدین صاحب، معروف پور، جونپور

پھول پور

۱۷/ ستمبر

برادر عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

آپ کے یہاں سے روانہ ہوجانے کے بعد یاد آیا کہ برطانیہ انگریزی کی قیمت آپ کو ادا نہ کرسکا باتوں کی مصروفیت میں اس کا کوئی خیال ہی نہیں آیا۔ بہر حال ایک کارڈ لکھ کر قیمت سے مطلع کردیں اور اس کی ادائیگی کی شکل بھی بتادیں۔ اگر مناسب سمجھیں تو قیمت کی

رقم طوبیٰ اسکول میں آپ کی صاحب زادی کے پاس بھیج دوں یا وہاں اس کے حساب میں جمع کرادوں۔

انار کی بابت بدیع الزماں صاحب جو کچھ بتائیں اس سے بھی مطلع کر دیجئے گا۔

والسلام

صدرالدین

بنام مولانا یوسف صاحب، سابق امیر جماعت اسلامی ہند

پھول پور

۲۵/مئی ۱۹۷۶ء

عنایت نامہ موصول ہوا، آپ کی دعائیں موجب سکون ثابت ہوئیں یقیناً میں آپ جیسے حضرات کی دعاؤں کا بہت زیادہ محتاج ہوں۔

علی گڑھ سے دہلی حاضر ہونے کے بارے میں میرا مدعا ذرا مبہم رہ گیا تھا جس کی باعث آپ کو غلط فہمی ہوئی میرا منشاء یہ تھا کہ اس وقت جو سفر میں کرنے والا ہوں۔ وہ صرف ایک عارضی مدت کا سفر ہے۔ کسی قیام کے ارادے سے نہیں ہو رہا ہے ہفتہ دو ہفتہ میں مجھے واپس ہونا ہے اس لئے میرے چند روز قیام دہلی کی کوئی ضرورت اور افادیت ہو تو علی گڑھ سے فراغت کے بعد مرکز آجاؤں ورنہ آئندہ جب کسی خاص مدت کے قیام کی صورت نکلے گی تب ہی آؤں گا۔ یہ تھا میرا منشاء

آپ کا یہ خیال کسی بحث و اختلاف سے قطعاً بالاتر ہے کہ مرکز کو بہت مضبوط ہونا چاہئے میری خود بھی ہمیشہ سے یہی رائے ہے مگر کسی نہ کسی وجہ سے اب تک ایسا نہیں ہو سکا تو اب ضرور ہو جانا چاہئے اس سلسلے میں یہ اطلاع باعث اطمینان ہے کہ مولانا ابواللیث صاحب نے اشاعت اسلام ٹرسٹ میں کام کرنے پر آمادگی ظاہر فرمادی ہے اس کا مطلب بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا قیام بھی دہلی ہی میں رہے گا کیا میرا یہ خیال صحیح ہے؟

پتہ نہیں مولانا حامد علی صاحب کے سلسلے میں ''عملاً'' کیا ہوا؟ کیا وہ دہلی منتقل

ہو گئے ہیں یا ابھی نہیں؟

مولانا ابواللیث صاحب نے ادارہ تصنیف کی نظامت قبول نہیں کی اس سے بڑی مشکل پیدا ہو سکتی ہے۔ میرا جو بھی قیام رہے گا وہ آپ کے فرمانے کے مطابق بالعموم دہلی میں رہے گا۔ پھر ادارے کا کیا ہوگا۔

صدرالدین

بنام مولانا یوسف صاحب، سابق امیر جماعت اسلامی ہند

پھول پور

۲۵/اگست ۱۹۷۲ء

مکرمی و محترمی زید مجدکم

امید ہے کہ مولانا جلیل احسن صاحب علی گڑھ پہنچ کر اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں مصروف ہو چکے ہوں گے خدا کرے کہ وہ اپنے انتخاب کو کامیاب بنا سکیں۔

ادارہ تصنیف کے ضوابط کا مسودہ بظاہر ٹھیک ہی معلوم ہوتا ہے اگر کوئی بات عرض کرنے کی ہوگی تو چند روز میں مزید غور کر کے تحریر کروں گا۔

میری مشکلات اور الجھن بدستور ہیں میں بڑے افسوس کے ساتھ اور اپنی مجبوریوں کے باعث اپنی سابقہ گذارش پر اصرار کرنا چاہتا ہوں اور متوقع ہوں کہ مجھے چند مہینوں بعد ضرور ہی سبکدوش کر دیا جائے گا آپ کی خواہش اور احساس ضرورت سے میں پوری طرح واقف ہوں اور انہیں کما حقہ وزن دیتا ہوں اس کے باوجود صورت حال اتنی مجبور کن ہے کہ ناپسند کرنے کے باوجود سبکدوشی کے سوا کوئی چارہ کار نظر آرہا ہے۔ امید کہ آپ میری مشکلات اور مجبوریوں کا پورا پورا لحاظ فرماتے ہوئے مجھے جلد از جلد سبکدوش فرمادیں گے۔

صدرالدین

بنام مولانا ابواللیث صاحب، سابق امیر جماعت اسلامی ہند

پھول پور ۲۳/نومبر ۱۹۸۹ء

مکرمی ومحترمی زید مجدکم

آج ۲۳/نومبر کے قومی آواز سے یہ معلوم کر کے دلی افسوس ہوا کہ برادر محترم مولانا سلمان ندوی پرسوں چہار شنبہ کو اپنے رب رحیم سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالی مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے ان کے حسنات کو قبول اور لغزشوں سے در گذر کرے۔ آمین۔

مرحوم کی خوش بختی ہی تھی کہ اللہ تعالی کی مشیت نے انہیں نوعمری ہی میں ظلمات سے نکال کر ایمان واسلام کی روشن شاہراہ پر لا کھڑا کیا اور پھر انہیں اس امر کی توفیق دی کہ اپنی پوری زندگی علم دین کے حصول میں ازاں بعد دینی وملی خدمات میں لگادیں۔ وہ اپنی شرافت نرم مزاجی اور خوش خوئی کے لئے بھی برابر یاد رکھے جائیں گے۔ جسمانی طور پر وہ جتنے گوشہ گیر تھے قلمی اور تحریری طور پر اتنے ہی ہندوستان گیر بلکہ ایک معقول حد تک عالم گیر بھی تھے اللہ تعالی ان کی دینی خدمات کا بیش از بیش صلہ دے۔ ان کی غم زدہ اہلیہ اور ان کے دل شکستہ بچوں کو اللہ مومنانہ صبر ارزانی فرمائے۔ آپ میرا پیام تعزیت ان لوگوں کو ضرور پہنچا دیں۔

آخر میں اللہ رب العالمین سے پھر دعا کرتا ہوں کہ وہ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

والسلام

صدرالدین

"غیر اللہ کی حاکمیت میں ایک وفادار رعایا بن کے رہنے کے معنی یہی نہیں ہیں کہ ہم نے اسلام کی ایک بنیادی تعلیم کی خلاف ورزی کی، بلکہ اسکے معنی یہ بھی ہیں کہ اب ہماری پوری زندگی شعوری یا غیر شعوری طور پر ایسے سانچے میں ڈھلتی چلی جائے گی جو اسلام کے مطلوبہ سانچے سے بالکل مختلف ہوگا، اب ہمارے معاشرے کی تاسیس، ہمارے تمدن کی اٹھان، ہمارے نظام تعلیم کی تربیت اور ہمارے معاشی اور اقتصادی مسائل کی تنظیم ایسی بنیادوں پر ہوگی جو ہماری خواہشوں کے علی الرغم ہم کو اپنے اجتماعی مسلک اور اپنے تصورات زندگی سے دور جھٹکتی چلی جائیں گی۔"

(فریضۂ اقامت دین از مولانا صدرالدین اصلاحی ص ۶۹)

☆ یکے از ہمدرد ☆
JABIR SETH
Chowdhary Steel Corporation, Daroo Khana, 111, Gali Naka, Mumbai - 400 010

حدیث غم فزا

کوثر اعظمی

کوثر پریس ہیرا پٹی سرائے میر، اعظم گڑھ

بتا یہ کیا کیا آخر کو اے موج صبا تو نے
سنائی صبح دم آکر حدیث غم فزا[1] تو نے

ابھی تو کر رہے تھے ہم نشاط شوق کی باتیں
اچانک آ کے تو یہ ہم پہ دی بجلی گرا تو نے

بچے آرائش محفل وہ شمع ناتواں تنہا
غنیمت تھی نہ جلنے دی بھی وہ دست قضا تو نے

سلام اے داعی اسلام صدرالدین اصلاحی
نہ جانا تھا ابھی جا کر ہمیں تڑپا دیا تو نے

اب عالم ہے یہ اپنا کہ غریق ظلمت غم ہیں
دیئے جیسے کہ ہوں دل کے دیئے سب کے بجھا تو نے

لئے وہ مومنانہ شان اٹھے اس بزم ہستی سے
کہ اپنی زندگانی دی بنا نقش رضا تو نے

رہے تو بزم اہل دل رکھی سرشار وتابندہ
گئے تو کتنی آنکھوں کو دیا دریا بنا تو نے

بیاباں خاطر واماندگان جادہ ومنزل
بنا دی تھی حدی کی لے زہے بانگ درا تو نے

اکیلا بانی تحریک تھا جب دشت غربت میں
قدم سے اسکے تب جوڑے قدم اے جذبہ[2] تو نے

دئے ہاتھوں میں ہاتھ اس کے بعزم شوق ہمراہی
چلے تو یوں دیا عہد وفا اپنا نبھا تو نے

متاع فہم و دانش ہو کہ علم و فکر کی دولت
لٹا دی از پئے حق سب بطرز ہموا تو نے

نہ جانے کتنے ہی کم کوش انسانوں کے ذہنوں کو
"اساس دین کی تعمیر[3]" کا سودا دیا تو نے

کچھ ایسا "دین کا قرآنی تصور[4]" کر دیا واضح
کہ اک دنیا کو دلدادہ دیا اس کا بنا تو نے

دلا کر یاد فرض اپنا دریچے ذہن کے کھولے
لگن دین کی اقامت[5] کی دلوں میں دی لگا تو نے

شب غم یاس کی ظلمت بڑھی جب تو بچشم نم
حضور حق دئے دست دعا اپنے اٹھا تو نے

خداوندا! سلامت رکھ کہ یہ تحریک اسلامی
قیام دین کا جس کو دیا ہے ولولہ تو نے

طریق حق پہ چل کے منزل غالب تلک پہنچے
بفیض صدق دل مطلوب خود طالب تلک پہنچے

۱۔ مولانا کا انتقال نماز فجر کے وقت ہوا اور سویرے سویرے ہی فون سے اس کی اطلاع ملی۔ ۲۔ مولانا کا قیام جماعت سے قبل ہی دار الاسلام ہی کے زمانہ میں ترجمان کی وساطت سے مولانا مودودی سے وابستہ اور دار الاسلام قیام پذیر ہو چکے تھے۔ ۳-۴۔ مولانا کی معرکۃ الآرا کتابیں "اساس دین کی تعمیر" اور "دین کا قرآنی تصور" ۵۔ مولانا کی شاہکار تصنیف "فریضۂ اقامت دین"

بیاد علامہ صدرالدین اصلاحیؒ

سخنور رفیقی، مرزاپور
معلم مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ (یوپی)

صاحب کردار تو
علم کا مینار تو
جرأت اظہار تو
عشق کا سالار تو
اک دل بیدار تو
قوم کا معمار تو

خادم اسلام تو
دین کی صمصام تو
قاطع اوہام تو
لائق اکرام تو
اک علم بردار تو
قوم کا معمار تو

حد استقلال تو
حشمت و اجلال تو
بے خودی کی ڈھال تو
وقت کا اقبال تو
صاحب کردار تو
قوم کا معمار تو

وحی حق کا ترجماں
علم دیں کا رازداں
فکر و فن کا پاسباں
کارواں در کارواں
قافلہ سالار تو
قوم کا معمار تو

نکتہ سنج و نکتہ داں
تیرا انداز بیاں
معترف پیر و جواں
جاوداں ہے جاوداں

سلک گوہر بار تو
قوم کا معمار تو

فکر کا تو آفتاب
تو محبت کا گلاب
جنبش لب انقلاب
تیری سیرت اک کتاب
کر گیا سرشار تو
قوم کا معمار تو

فخر ملت فخر دیں
چل دیا خلد بریں
فخر ہند و پاک وچیں
چھوڑ کر ہم کو حزیں
کلک تو شہوار تو
قوم کا معمار تو

ذرہ ذرہ سوگوار
قلب مضطر بے قرار
ماہ و انجم اشک بار
دامن دل تار تار
کاشف اسرار تو
قوم کا معمار تو

عشق تھا تیرا پیام
تیرا ہر سو فیض عام
تھا خودی تیرا کلام
لے سخنور کا سلام
لولوئے افکار تو
قوم کا معمار تو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جامعہ مصباح العلوم

چوکونیاں، بھارت بھاری، سدھارتھ نگر (یو۔ پی)

JAMIA MISBAHUL ULOOM

CHAUKONIA, SIDDHARTH NAGAR (U.P.)

فضیلتین کے قیام کا منصوبہ

تعلیم جامعہ مصباح العلوم میں سند جامعۃ الفلاح سے

کوڈ نمبر - 05541

فون نمبر 44377

شاخ : جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڈھ یو۔ پی

خصوصیات

- دینی و عصری علوم کی ترکیب خاص۔
- منفرد نظام تعلیم اور قابل تقلید طریقۂ تدریس
- معیاری تعلیمی ماحول، مخصوص نظام تربیت۔
- خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے کے لئے فعال انجمن۔
- سرکاری بجلی و جنریٹر کے ساتھ تمام کمروں میں پنکھے کا نظم۔
- ذہنی و جسمانی ارتقاء کے لئے کھیل کود کا انتظام۔
- مختلف زبانوں میں ملک و بیرون ملک سے رسائل و جرائد۔
- علمی و روحانی غذا کے لئے وسیع کتب خانہ۔
- عربی اور انگریزی زبان کے عملی بول چال کی کلاسیز۔

اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے جامعہ ھذا کی خدمات حاصل کریں

داخلے بعد رمضان ۱۰ تا ۲۵ شوال ہوا کرتے ہیں۔ شعبۂ نشر و اشاعت

ساتھ ہی ایک دوسری اطلاع یہ دی گئی۔

''جیسا کہ ابتدا میں ناظرین سے گذارش کی گئی تھی کہ وہ اسے ملاحظہ فرمانے کے بعد ان مقامات کے بارے میں مجھے اپنے خیالات تحریر فرماتے رہیں جن سے انہیں اختلاف ہو گذشتہ دنوں اس گذارش پر چند ایک حضرات نے توجہ فرمائی ہے ان دوستوں اور بزرگوں کے فرمودات کو میں اس انتظار میں جمع کر کے رکھتا رہا ہوں کہ جب سورہ بقرۃ ختم ہو چکے گی تو اکٹھے ہی ان سب سوالوں اور اعتراضوں کے ضمن میں اپنے خیالات پیش کروں گا اب چونکہ وہ موقع آ گیا ہے اس لئے انشاء اللہ اگلی اشاعت سے یہ سلسلہ شروع ہو جائے گا۔[۴]

لیکن یہ سلسلہ بھی جاری نہ رہ سکا بس اگلے شمارے (اکتوبر ۵۳ء) میں ایک استفسار "مصدق لما معہم (البقرۃ۔۱۰۱) میں مصدق کے مفہوم کے سلسلے میں ملتا ہے پھر اس کی مزید وضاحت جنوری ۵۶ء کے شمارے میں کی گئی ہے چند استفسارات کے جوابات مولانا اس اطلاع سے قبل (فروری اور مارچ ۵۳ء کے شماروں میں) دے چکے تھے۔

اس طرح تفسیر کا یہ کام سورہ بقرۃ سے آگے نہ بڑھ سکا اگرچہ ابتدا میں مولانا کے پیش نظر پورے قرآن کی تفسیر کا منصوبہ تھا اس کا ثبوت یہ ہے کہ سورۃ بقرۃ کی تفسیروں کے دوران مولانا نے بعض بحثوں کے زیادہ تفصیل کے ساتھ آئندہ سورتوں میں آنے کا اشارہ دیا ہے مثلاً آیت وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا (۱۱۶) کی تفسیر کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے:

''ابنیت مسیح کی بابت تفصیلی گفتگو آگے (سورہ مائدہ میں) اپنے مقام پر آئے گی۔[۵]

آیت وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً (۱۴۰) کی تفسیر میں اہل کتاب کی تحریفات اور خاص طور پر نبی آخر الزماں ﷺ سے تعلق رکھنے والی پیشین گوئیوں کو چھپانے پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں

''انشاء اللہ اس مسئلہ پر سورہ اعراف کی آیت الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ کے تحت کسی قدر تفصیل سے گفتگو کی جائے گی۔[۶]

نامعلوم اسباب کی بنا پر تفسیر کا کام سورہ بقرۃ ہی پر رک گیا اس ناتمام تفسیر کی افادیت ۔۔۔۔۔ ت میں بھی کم نہیں ہے اس کے ذریعے قرآن کے مطالعہ و تدبر کی ایک جہت ملتی

ہے اس کے اسالیب اور نظم کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے اور تفسیر کے ضمن میں بعض قیمتی بحثوں اور نادر تحقیقات تک رسائی ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ "تیسیر القرآن" کو نظر انداز کر کے قرآنیات کے میدان میں مولانا کی خدمات کا صحیح تعارف نہیں کرایا جا سکتا۔

سطور ذیل میں اس ناتمام تفسیر کا مطالعہ پیش کرنے اور اس کی خصوصیات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔

غیر مسلم ذہن کا لحاظ

اس تفسیر کی تالیف کا مقصد جیسا کہ بیان کیا گیا۔۔۔۔۔۔ مولانا کے پیش نظر یہ تھا کہ قرآن کا مطالعہ کرتے ہوئے غیر مسلموں کے ذہنوں میں جو سوالات ابھرتے ہیں ان کا جواب دیا جائے اور جو اشکالات پیدا ہوتے ہیں انہیں رفع کیا جائے اسی لئے مولانا نے اپنی تفسیر کے ان مقامات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جو غیر مسلموں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اہم ہیں اور ان مقامات پر سرسری طور سے گذر گئے ہیں جن پر دیگر مفسرین نے طویل بحثیں کی ہیں لیکن غیر مسلموں کے لئے ان میں افادیت کا کوئی پہلو نہیں ہے غیر مسلموں کے لئے وضاحت طلب مقامات پر مولانا نے دعوتی پہلو پیش نظر رکھا ہے اور بڑی موثر اور دل نشیں بحثیں کی ہیں چند مثالیں درج ذیل ہیں:

سورہ فاتحہ کی آیت إِيَّاكَ نَعْبُدُ کی تفسیر میں مولانا نے "عبادت" پر تفصیلی بحث کی اور اسلام میں عبادت کا جامع تصور واضح کیا ہے فرماتے ہیں:

''عبادت اسلام کا ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کے اندر پرستش اور جملہ احکام الٰہی کی مخلصانہ اطاعت دونوں چیزیں شامل ہیں اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی جن صفات کا ذکر تھا ان کا ایک ہی تقاضا اور مطالبہ ہو سکتا ہے اور یہ کہ انسان بلا تامل اقرار کرلے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اصلاً کوئی ایسا نہیں جس کے احسانات کا اعتراف کیا جائے جس کے سامنے عقیدت کا سر جھکایا جائے جس کے احکام کی پیروی کی جائے جس کی خوشنودی چاہی جائے اور جس کی غلامی و بندگی تسلیم کی جائے۔ اس لئے کہ اس کے سوا نہ ہمارا کوئی سرپرست ہے

مولانا کو قرآن پاک سے خاص شغف و تعلق رہا جس کی وجہ سے قرآنی علوم و معارف اور اس کے رموز و نکات پر ان کی نگاہ بڑی وسیع ہوگئی تھی ترجمان القرآن علامہ فراہیؒ نے مطالعہ و فہم قرآن کا مدرسۃ الاصلاح میں جو ماحول پیدا کر دیا تھا اس نے مولانا اصلاحی کی فہم قرآن کی طلب و جستجو کو صیقل کیا۔

انہوں نے مولانا مودودیؒ کی ضخیم تفسیر ''تفہیم القرآن'' کی جامع تلخیص کی یہ ان کا ایک بڑا کام ہے اور دریا کو کوزے میں بند کر دینے کے عین مصداق ہے انہوں نے خود بھی تفسیر ''تیسیر القرآن'' کے لکھنے کا اہتمام کیا جس کی کئی قسطیں ماہنامہ ''زندگی'' میں شائع ہوئیں مگر وہ اسے پایہ تکمیل کو نہ پہونچا سکے۔

ذیل میں ہم ان کی بیش قیمت تصنیفات کا ایک تعارف پیش کرتے ہیں۔

حقیقت نفاق

اسلام اور مسلمانوں کو ہر دور میں کفار و مشرکین کی عداوت و ایذا رسانی کے علاوہ منافقین کے شر و ضرر سے بھی سابقہ رہا، منافقین کے گروہ مختلف شکلوں اور صورتوں میں ہمیشہ سرگرم عمل رہے درحقیقت عدو مبین کے بہ نسبت یہ نقاب پوش دشمن ہمیشہ زیادہ خطرناک ثابت ہوئے اور ہر دور میں اس کی نقاب کشائی اہل نظر کا اہم فریضہ رہی، مولانا صدر الدین اصلاحی مرحوم نے اپنی اس تصنیف حقیقت نفاق میں اسی فریضہ کو بحسن و خوبی انجام دیا۔

انہوں نے دعوت اسلامی اور فتنۂ نفاق کے عنوان سے مختصراً یہ واضح کیا ہے کہ منافقین نے اشاعت اسلام کی راہ میں کس قدر دشواریاں پیدا کیں اور کتنا نقصان پہونچایا۔

مولانا اصلاحی لکھتے ہیں:

''تاریخ اسلام کے ابتدائی صفحات ہمیں بتلاتے ہیں کہ اسلام کی راہ میں جتنی مشکلات کفار نے پیدا کیں وہ ان موانع کی بہ نسبت کچھ کم نہ تھیں جو منافقین کی بدولت پیش آئیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کفار کی بھی اکثر معاندانہ کارروائیاں ان ہی منافقین کی خفیہ ریشہ دوانیوں کی رہین منت ہوا کرتی تھیں، انہوں نے بارہا مشرکین کو لڑائی پر ابھارا غزوات میں مسلمانوں کو ان ہی فریب

کاریوں سے نقصان پہونچایا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی توہین و تذلیل کی وطن اور حسب و نسب کے جھگڑے برپا کر کے مسلمانوں کی جمعیت پراگندہ کرنے کی کوششیں کیں تقسیم غنائم کے مواقع پر کمزور ایمان رکھنے والوں کو رسول اللہ ﷺ سے بدظن کیا اسلامی نظام کے تندرست پیکر میں طرح طرح کے وبائی جراثیم داخل کرنے کی سعی کی، غرض ضرر رسانی کے جتنے طریقے ممکن ہو سکتے تھے ان میں سے کسی کو بھی فتنہ و شیطنت کے ان علم برداروں اور دنیا کے ان پجاریوں نے باقی نہ اٹھا رکھا کفر تو اسلام کے مقابلہ میں بے نقاب آتا ہے ڈنکے کی چوٹ پر اپنی عداوت کا اعلان کر کے کھلے میدان میں وہ دعوت پیکار دیتا ہے لیکن نفاق پیشانی پر دوستی و رفاقت کا لیبل لگا کر اسلام کے گھر میں بیٹھ کر صدہا طریقوں سے اس کی بیخ کنی کرتا ہے اور اس انداز میں بسا اوقات نگاہ ظاہر بیں کو اس کا ادراک تک نہیں ہوتا (حقیقت نفاق ص ۱۱-۱۲ مرکزی مکتبہ ایڈیشن ۱۹۸۷)

نفاق کی ضرر رسانی اور خطرناکی بیان کرنے کے بعد اس کی حقیقت اور اس کے اسباب کو قرآن مجید کی روشنی میں اس طرح بیان کیا کہ منافقین اور ان کے اقسام، خصلتیں اور ان کے طریقہ کار کی پوری وضاحت ہوگئی ہے قرآن مجید میں منافقین کے متعلق وعدہ وعید اور تنبیہ اور مسلمانوں کو ان سے دور رہنے اور ان کی ضرر رسانیوں سے محفوظ رہنے کی تمام تفصیلات بھی مولانا اصلاحی نے بیان کر دی ہیں اعمال نفاق کے ساتھ منافقین اور عام گنہ گاروں کا فرق بھی واضح کر دیا گیا ہے منافقین کے بارے میں شریعت کے دنیوی و اخروی احکام کو بھی علیحدہ علیحدہ لکھ دیا گیا ہے آخر میں دور حاضر کے نفاق عقیدہ و عمل کی نشاندہی کی گئی ہے جس میں اختصار سے عہد نبوی ﷺ کے بعد نفاق کے امکان و وجود کا جائزہ لیا گیا ہے نفاق اور منافقین کے بارے میں معاشرے کے فرائض کا ذکر کرتے ہوئے مولانا اصلاحی لکھتے ہیں: